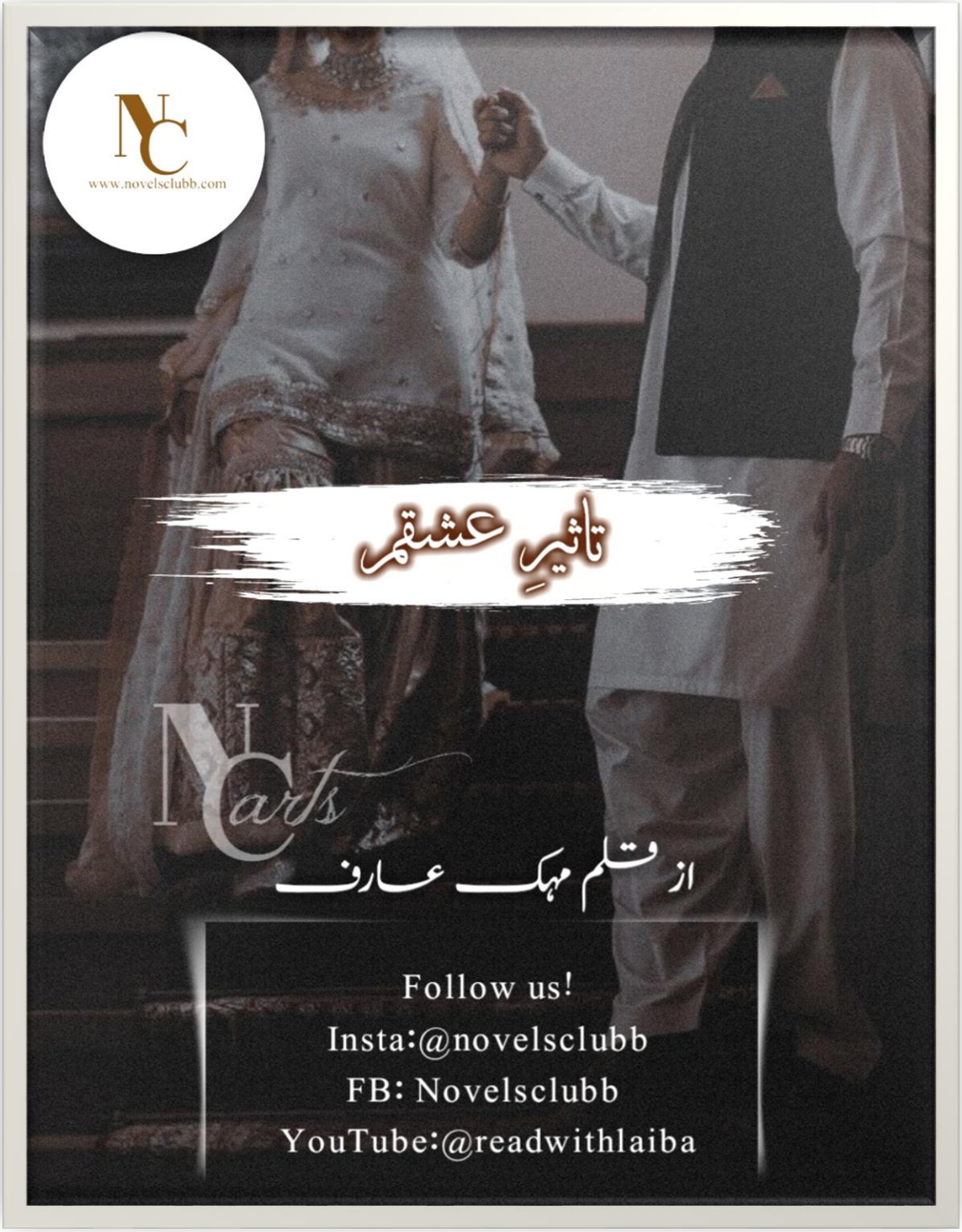
www.novelsclubb.com
تاثیرِ عشقم
Arts
از قلم مہک عارف
Follow us!
Insta:@novelsclubb
FB: Novelsclubb
YouTube:@readwithlaiba

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری، ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

تاثیرِ عشقم

از قلم

مہک عارف

www.novelsclubb.com

تاثیرِ عشقم

از قلم مہک عارف

باب نمبر6

ماضی:

قاسم ملک کی کل کائنات ان کی دونوں اولادیں تھیں۔ بڑے بیٹے جہانداد ملک اور دوسری چھوٹی بیٹی صدف ملک۔ قاسم ملک کا شمار لندن کے مشہور و معروف بزنس مینز میں ہوتا تھا۔ وہ انیس سو کی دہائی میں لندن شفٹ ہوئے تھے۔ جہانداد ملک اپنے الگ بزنس کے چکر میں ملک در ملک سیر کر رہے تھے جبکہ صدف ملک لندن کی مشہور یونیورسٹی کوین میری میں زیرِ تعلیم تھیں۔

www.novelsclubb.com

"صدف بیٹے ٹیک یور بریک فاسٹ فرسٹ۔"اس کی ماں دردانہ نے اسے بغیر ناشتہ کیے یونی جانے پر ٹوکا تھا۔وہ بائیس سالہ چلبلی لڑکی اب کہ ڈائننگ ہال میں بیٹھی خاموشی سے ناشتہ کر رہی تھی۔اس کی آنکھیں سبز تھیں۔کائی جیسی سبز۔

"ماں آئی گاٹ اٹ۔"وہ ناشتے سے ہاتھ جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔اپنے باپ کی ایکسرا کرتی نگاہیں وہ خود پر محسوس کر چکی تھی۔

"بائے ماں۔بائے بابا۔"وہ ان دونوں سے ملتی باہر روانہ ہو گئی۔

"اس پر نظر رکھو دردانہ کہیں لندن کی کھلی ہوا نہ لگ جائے۔"اب کہ ان کی نظریں اپنی بیوی پر تھیں۔

www.novelsclubb.com

"ڈونٹ وری قاسم۔بیٹی ہے ہماری اچھے سے جانتی ہے کس کے ساتھ منسوب ہے یہ۔حدید قریشی۔اس کا فیانسی۔آپ بلاوجہ پریشان مت ہوں۔وہ ہماری بیٹی ہے۔"انہوں نے قاسم ملک کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے گویا انہیں تسلی دی۔لندن کا ماحول انہیں تو راس آ گیا تھا لیکن وہ اپنی اولادوں کے لیے فکر مند تھے۔

یہ منظر مشہور زمانہ کوین میری یونیورسٹی آف لندن کا تھا۔ یہاں بیشتر ممالک سے طلباء ہائیر ایجوکیشن کے لیے تشریف لاتے تھے۔

"واجد آپ کب اپنی فیملی سے بات کریں گے۔؟" وہ دونوں یونیورسٹی کی عمارت کے سامنے بنے سرسبز قطعے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ منہ بسورے بول رہی تھی۔ آس پاس طلباء مختلف ٹولیاں بنائے بیٹھے تھے۔ ہر ٹولی کا ایک مخصوص نام تھا جبکہ وہ دونوں ان سب سے یکسر مختلف تھے۔

"صدف یونو میرے گھر والے پہلے ہی مجھ سے نالاں رہتے ہیں ایسے میں بھائی جان کی شادی سے پہلے میری شادی کی بات انہیں مزید مجھ سے نالاں کر دے گی۔ ٹرائی ٹو انڈرسٹینڈ۔ میں گھر والوں کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔" سیاہ آنکھوں والے واجد سکندر ولد گل زرین سکندر اپنی وجوہات پیش کر رہے تھے۔ صدف ان کی پہلی محبت تھیں۔ جس کی خاطر وہ اپنے گھر والوں کو منانے کی تگ و دو کر رہے

تھے۔واجد کی طرف سے بڑھایا جانے والا دوستی کا ہاتھ کب محبت میں بدل گیا اس بات سے صدف ملک انجان تھیں۔ہوش تو تب آیا جب واجد کے لیے بدلتے جذبات پر نظر دوڑائی۔ان پر ایک حقیقت آشکارا ہوئی تھی کہ وہ واجد سکندر سے محبت کرنے لگی ہیں۔ان دونوں کے تعلقات دوستانہ جبکہ احساسات ایک پاک رشتے کے لیے تھے۔

حال:

"تو تم نے ثابت کر دیا جیا سکندر کہ تم ایک ملک کا ہی خون ہو۔جس کی رگوں میں اپنوں سے دغا دوڑتی ہے۔بے وفائی تو تمہارے خون میں شامل ہے۔میں نے کیوں تم پر اعتبار کیا جیا سکندر کیوں۔؟" بالاج کی بات پر وہ دم بخود ساکت رہ گئی تھی۔ اسے یقین نہیں آیا کہ اسکے سامنے کھڑا شخص وہ ہی تھا جس نے چند ماہ قبل اس سے کہا تھا کہ وہ اس پر خود سے زیادہ یقین رکھتا ہے۔کیا یہ تھا اس کا یقین؟

"کون ہے یہ شخص؟ میں نے پوچھا نام کیا ہے اس کا۔؟" بالاج ایک مرتبہ پھر سے چیخا تھا۔ جیا کی زبان گنگ ہو گئی۔ اس نے ایک امید سے بالاج کی طرف دیکھا اگلے ہی لمحے اس کے بال بالاج کی سخت گرفت میں تھے۔ وہ کراہ کر رہ گئی۔

"بولو۔ جواب دو۔" وہ اس کے چہرے پر غرایا۔

"وہ ہا۔ وہاج۔" وہ سختی سے آنکھیں میچ کر بولی تھی۔ سر کے پچھلے حصے میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ اگلا مرحلہ صدمے کا تھا اسے جو لگا تھا کہ جیا بولے گی وہ صرف اس کی ہے اس سے محبت کرتی ہے یہ سب جھوٹ ہے۔ تو وہ غلط تھا۔ اور ہمیشہ ہماری خوش فہمی غلط فہمی ہی ہوتی ہے۔ بالاج نے نام سنتے ہی اس کے بالوں پر گرفت ہلکی کی۔ آنکھوں میں بے یقینی امڈ آئی۔

"چلی جاؤ جیا سکندر۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی انتہائی قدم اٹھالوں آئے سیڈ گو۔" وہ چاہ کر بھی خود پر قابو نہیں پا رہا تھا۔ اس کی دھاڑ سن کر بھی جیا وہیں کھڑی رہی۔

بالاج نے سرخ انگارا آنکھوں سے اسے دیکھا۔وہ کیسے اس کی محبت پر بے وفائی کا ٹھپہ لگا کر سکون سے کھڑی تھی۔

"میری نظروں سے دور ہو جاؤ جیا۔"اس کا لہجہ ہارا ہوا تھا۔ایک سانس آ رہی تھی تو دوسری باہر نکلنے سے انکاری تھی۔عجیب کشمکش سی تھی۔

"بالاج۔آپ پی۔یقین کریں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔آپ تصویر کا ایک رخ دیکھ کر میری محبت کو ذلیل نہیں کر سکتے۔"وہ چیخ اٹھی۔آخر کب تک اس کی بے اعتباری کا بوجھ سہتی۔

"آواز نیچی رکھو جیا واجد سکندر۔"وہ اپنا نام اس کے اسم سے ہٹا گیا تھا۔جیا کا دل دھڑکنا بھول گیا۔کیا اتنا ازراں تھا اس کے لیے جیا کے نام کے ساتھ اپنا حوالہ جوڑنا۔؟

اسے اپنی جگہ پر جمے دیکھ کر بالاج کا پارا ساتویں آسمان پر جا پہنچا۔وہ اتنی ضدی کیوں بن رہی تھی کیا وہ بالاج کے غصے سے واقف نہیں تھی۔اس نے جیا کو بازو سے

دبوچا اور پھر ایک دو تین چار وہ تمام سیڑھیاں اترتا آیا وہ اس کے ساتھ ہی کھنچتی چلی آئی تھی۔۔اور پھر اندرونی دروازہ کھول کر اسے باہر کی جانب دھکیل دیا۔جیا گرتے گرتے بچی۔سامنے مین گیٹ کے قریب کرسی ڈالے بیٹھا گارڈ واضح تھا۔تو کیا آج کا دن اس کی زندگی میں ذلت لے کر آیا تھا۔

"بالاج میری بات سنیں ایسا کچھ نہیں ہے۔وہ محض ایک غلطی تھی۔مجھے اس سب کی اتنی بڑی سزا مت دیں بالاج۔پلیز"وہ رو کر اس سے بھیک مانگ رہی تھی۔ دروازے پر ہتھیلیوں سے ضربیں لگا رہی تھیں لیکن وہ ضرب بالاج سکندر کے دل پر لگی چوٹ کے سامنے صفر تھی۔اس کا دل ایک ہی چوٹ پر ٹوٹ گیا تھا۔دل ٹوٹ جائے تو پتا ہے کیا بنتا ہے۔؟وہ بکھر کر کانچ کی کرچیاں بن جاتا ہے جو تکلیف کا باعث تو بن سکتی ہیں لیکن کبھی جڑ نہیں سکتیں۔

"میرا ضبط مت آزماؤ جیا سکندر۔چلی جاؤ یہاں سے میں نے تمہیں اپنا غرور جانا لیکن تم نے مجھے ہی خاک کر دیا۔تم جیسی لڑکیوں کی جانب میں دیکھنا بھی پسند نہیں

کرتا تھا۔اور یہی میرا غرور تھا۔چلی جاؤ یہاں سے مجھے میری ہی نظروں میں مزید رسوا مت کرو۔میرا مان توڑ کر بھی تم اپنے فعل کی معافی مانگ رہی ہو۔یہ بندہ تمہیں کس منہ سے معاف کرے۔؟" بالاج نے دروازے سے اپنی پشت ٹکائی جس کے پار جیا سکندر کے ہچکیوں میں رونے کی آواز آ رہی تھی لیکن وہ اسے نہیں سن رہا تھا۔

"بالاج سکندر ایسی لڑکیوں پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتا۔" آہ یہ تکلیف دہ ماضی۔اپنے بیان پر وہ جی بھر کر شرمندہ ہوا تھا۔کیں مان تھا ناں اسے خود پر؟

"بالاج سکندر مرنا تو قبول کر سکتا ہے لیکن کسی دوسرے شخص کی اترن کبھی نہیں ۔" جیا نے ٹھیک بولا تھا اگر کبھی زندگی میں کسی دوسرے شخص کی اترن اس کے نصیب میں آئی تو۔تو وہ کیا کرے گا؟ بالاج کی آنکھوں میں مرچیاں بھرنے لگیں۔سنہری آنکھوں میں تیرتے سرخ ڈورے دیکھنے والے کو خوف میں مبتلا کر رہے تھے۔

اپنے ہی الفاظوں کی بازگشت اسے دلی تکلیف دے رہی تھی لیکن وہ بے حس بنا کھڑا تھا۔الفاظ تھے یا کیا لیکن اس کی سماعتوں میں زہر بن کر اتر رہے تھے۔

اس کا مان ٹوٹا تھا۔اعتبار کا خون ہوا تھا۔یقین اور بھروسہ کبھی کسی پر نہ کرنے کے لائق رہ گئے تھے۔وہ غرور وہ تکبر جو اسے خود پر تھا وہ اس کی سب سے عزیز ہستی نے ہی توڑ کر چکنا چور کر دیا تھا۔اسے اس مرحلے سے نکلنے میں وقت درکار تھا۔

باہر سے ایک دم ہچکیوں کی آواز آنا بند ہوئی۔بالاج سکندر کا دل زوروں سے سینے کی دیواروں میں سر پٹکنے لگا۔اس کی ساکت پتلیوں نے حرکت کی۔تیر کی تیزی سے بند دروازہ غیر مقفل کیا۔سامنے کا منظر دیکھتے ہی اس کا دل دھک سے رہ گیا۔وہاں جیا سکندر تھی نہ جیا سکندر کا عکس۔تکلیف کا کاری وار نئے سرے سے ہوا تھا۔

"واہ جیا سکندر تم نے میری یہ خوش فہمی بھی دور کر دی کہ بالاج سکندر کی تمہاری زندگی میں کیا اہمیت ہے۔یہ دل ایک ہی شخص سے کتنی مرتبہ چوٹ کھائے۔؟"بدگمانیوں کا گراف بلند ہوتا جا رہا تھا۔

"تم خود اپنے پیروں پر چل کر گئی ہو جیا سکندر اب واپس بھی تمہیں انہی پیروں پر چل کر آنا ہو گا۔" غلط فہمیوں نے اس کے دل کا موسم آبر آلود کر دیا تھا۔

اس تاریک کمرے کا رخ کرو تو تمہیں اس کی چوکھٹ پر ایک ہیولہ کھڑا نظر آئے گا۔ مکمل سیاہ اور رات سا تاریک۔ اس کے اطراف سے روشنی چھن کر اندر جا رہی تھی ۔ جہاں صوفیہ ابراہیم کھڑی تھیں۔ انہوں نے آنکھیں چھپک کر دوبارا کھولیں۔ سامنے کا منظر ان کی دید کا حصہ بنا۔

"تم۔ تم کیا کر رہے ہو یہاں۔؟" اپنے سامنے کھڑے ندیم دارا کو دیکھ وہ کانپ کر رہ گئیں۔ وہ شخص انہیں اذیت دینے میں برابر کا شریک تھا۔ لیکن وہ یہاں کیا لینے آیا تھا۔؟

"مجھے یہاں جہانداد ملک نے بھیجا ہے۔" اس کی آواز نرم تھی۔ لہجہ چاشنی میں ڈوبا ہوا۔ صوفیہ ابراہیم کی چھٹی حس بیدار ہوئی۔

"کیوں۔؟مجھے مارنے یا زندہ درگور کرنے کو؟" وہ تیز آواز میں بولی تھیں۔ندیم نے کمرے کی بتی جلائی۔صوفیہ ابراھیم کمرے کے وسط میں کھڑی تھیں اس نے کمرہ کا دروازہ آہستہ سے بند کیا۔صوفیہ ابراھیم کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔وہ اپنے قدم پیچھے لیتی گئیں۔

"د۔دد۔دیکھو میرے پاس مت آنا تم۔تم۔" ندیم کو اپنی جیب سے کچھ تلاشتے دیکھ کر وہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ گئیں۔وہ صوفیہ ابراہیم کی جانب آیا۔وہ یک ٹک اسے دیکھتی رہیں۔نگاہ پھسلتی ہوئی اس کے دائیں ہاتھ میں موجود آلے کی جانب گئی۔اس کے ہاتھ میں ایک پیچ کس تھا۔چوڑے منہ والا پیچ کس۔

www.novelsclubb.com

تو کیا یہ ان کی زندگی کا آخری دن تھا؟ندیم آگے بڑھ رہا تھا جس کے ساتھ ہی وہ پیچھے کی جانب کھسکتی گئیں۔وہ ان کے قریب آکر رک گیا۔صوفیہ ابراہیم کے بائیں جانب بیڈ تھا۔ندیم نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور ایک ہی جست میں اس سنگل بیڈ کو کھڑا کر دیا۔صوفیہ ابراہیم کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"حیرت ہے آپ مجھ سے ڈر رہی ہیں۔ فکر نہیں کریں میں آپ کے بیٹے ہی کی عمر کا ہوں۔ آپ میری ماں جیسی ہیں۔" پھر وہ نیچے جھکا اور وہاں موجود سفید ماربل کی دو ٹائلوں کے درمیان پیچ کس کی نوک پھنساتے اسے اوپر کی جانب حرکت دی۔ وہ چار فٹ کی ٹائل اندر سے کھوکھلی تھی۔ صوفیہ ابراہیم نے جھانک کر دیکھا۔ ندیم نے ایک ٹارچ لائٹ روشن کر کے اس اندھیرا اور تاریک جگہ پر ماری۔ وہاں نیچے کی جانب سیڑھیاں تھیں۔ اختتام پر اندھیرا تھا۔ کیا وہ جائے فرار تھی۔؟ لیکن ندیم ان کی مدد کیوں کر رہا تھا۔؟

ندیم نے صوفیہ ابراہیم کو اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئیں۔ اس شخص پر اعتبار کرنا مشکل تھا۔ لیکن انہیں اعتبار کرنا تھا۔ آج جو ایک پل کے لیے موت کے خوف سے ان کا دل لرزا تھا وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اپنے بیٹے کی شکل و صورت دیکھے بنا ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائیں۔ وہ آگے بڑھی۔ انہوں نے اپنے قدم سیڑھیوں پر مضبوطی سے جماتے نیچے اتارے۔

www.novelsclubb.com

"میں نہیں جانتی تم یہ سب کیوں کر رہے ہو۔یقیناًاس کے پیچھے بھی تمہارا کوئی مقصد ہو گا۔لیکن میں پھر بھی آنکھیں بند کر کے تم پر بھروسہ کر رہی ہوں۔"زینوں پر اندھیرے کی وجہ سے جھریوں زدہ چہرہ واضح نہ تھا۔ندیم نے وہ ٹائل درست کرتے ان کی جانب دیکھا۔

"شش۔"اور پھر وہ آگے چل دیا۔سیڑھیاں اتر کر اس تاریک راہداری میں رکھا جانے والا قدم دھپ کی آواز پیدا کر رہا تھا۔

"ایک تعمیر کو اس کے معمار سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا بالکل ویسے ہی جیسے کھانے کا ذائقہ صرف چکھنے والے کو معلوم ہوتا ہے۔"راہداری کافی لمبی تھی۔ایک سرنگ کی طرح۔

"تم اپنے باپ کے برعکس ہو۔"یہ سوال تھا یا تبصرہ لیکن ان کی بات پر ندیم دارا کے قدم تھم گئے۔ہر سو سنّاٹا چھاتا چلا گیا۔

"ہاں میں اپنے باپ کے بر عکس ہوں کیونکہ میں دارا کا پوتا ہوں۔اور رہی بات باپ کی تو اس نے اپنی گناہوں کی زندگی سے توبہ کر لی تھی۔آپ نہیں کہہ سکتی وہ میرے بر عکس ہے۔" وہ سر جھٹک کر آگے چل دیا۔جانتا تھا صوفیہ ابراہیم کا گہرا دکھ اس کے باپ سے جڑا تھا۔

انہوں نے استہزایہ نظروں سے اسے دیکھا۔ندیم دارا کے تعاقب میں رکھا جانے والا ہر قدم انہیں اس حویلی سے دور لے جاتا جا رہا تھا۔

اسلام آباد کی اس مصروف شاہراہ پر لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو رہا تھا۔جس کی بدولت گاڑیوں کی آمد و رفت میں بھی خلل پیدا ہو رہا تھا۔سفید شرٹ اور نیلی جینز میں ملبوس وہ شخص اس رش کو چیرتا ہوا آگے آیا۔

اس نے سامنے زمین پر اوندھے منہ پڑے کراہتے ہوئے شخص کو دیکھا۔یقیناً وہ شخص بسمہ شارق کو بچانے کی خاطر گاڑی کے سامنے آیا تھا۔ایک سیاہ گاڑی دور جاتی

دکھائی دے رہی تھی۔بسمہ شارق دھکا لگنے کے باعث سڑک پر ایک جانب گری تھی۔یہ سڑک ہاسپٹل کی اوپن پارکنگ ایریا کے سامنے تھی۔کہنیاں اور ہتھیلیاں تارکول کی سڑک پر لگنے کی وجہ سے زخمی ہو رہی تھیں۔لیکن اسے پرواہ نہیں تھی۔اس نے پلٹ کر دیکھا۔زخمی کے ارد گرد لوگوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔کوئی افسوس کر رہا تھا اور کوئی اس سانحے کی وڈیو بنانے میں مصروف تھا۔مدد کرنے کی کوشش کسی نے نہیں کی تھی۔وہ غصے میں لوگوں کے درمیان سے گزرتی آگے آئی۔سامنے پڑے وجود کو دیکھ کر وہ اپنی جگہ شل ہوئی تھی۔

"آپ سب لوگ تماشا کیا دیکھ رہے ہیں اسے ہسپتال لے کر جائیں پلیز۔" وہ گھٹنوں کے بل اس شخص کے قریب بیٹھی۔بسمہ شارق کی بات پر نووارد نے اسے دیکھا وہ اس شخص کو کندھوں سے تھامے اس کا رخ پلٹا رہی تھی۔

"بسمہ۔" اپنے نام کی پکار پر اس نے سامنے دیکھا۔وہاں مومن ابراہیم کھڑا تھا۔اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔

www.novelsclubb.com

"مومن۔پلیز اسے ہاسپٹل لے جاؤ۔یہ زخمی ہے۔"بسمہ کی آنکھوں میں آنسو جگمگا رہے تھے۔مومن نے ناپسندیدگی سے اس شخص کی جانب دیکھا جس کی وجہ سے وہ رو رہی تھی۔

"معمولی سی چوٹ آئی ہے اسے۔اتنا نازک نہیں ہے یہ کہ یہیں کراہتا ہوا مر جائے گا۔"مومن کی بات پر بسمہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔کیا وہ سچ میں اتنا سنگدل تھا۔

"یو بلڈی۔جسٹ گو فرام ہئیر۔"وہ چیخی اور زخمی کو سہارا دینے کی خاطر اس کو کمر سے تھامنا چاہا۔

www.novelsclubb.com

"Stay Away From Him" مومن نے آگے بڑھ کر اس شخص کو کھڑا کیا۔اس کا چہرہ خون سے تر تھا۔آنکھیں تکلیف سے میچی ہوئی تھیں۔لیکن سانسیں چل رہی تھیں۔

"اسے ہاسپٹل لے کر جاؤ۔"

"میں اس بلڈوزر کو اپنے نازک کندھوں پر اٹھانے کی ہمت نہیں رکھتا سوری۔ اسٹریچر منگواؤ۔" مومن نے ناک سے مکھی اڑائی۔ تبھی دو میل نرس ایک اسٹریچر بھگاتے ہوئے وہاں آن پہنچے تھے غالباً لوگوں نے یہ خدمت خلق انجام دی تھی۔ بسمہ شارق تند نگاہوں سے مومن کو زخمی شخص کو اسٹریچر پر ڈالتے دیکھ رہی تھی۔

"تم جانتے ہو مرد ہو کر بھی تمہارے اندر عورتوں والی روح سرائیت کرتی ہے۔" زخمی کو ہسپتال کے اندر لے جایا جا رہا تھا۔

"اور تم جانتی ہو تمہاری یہ زبان قینچی سے بھی زیادہ تیز چلتی ہے۔ کسی ٹیلر سے کانٹیکٹ کرو کپڑا کاٹنے کے کام آئے گی۔ یا پھر میرے پاس ایک نیا مشورہ بھی ہے۔" مومن نے جوشیلے انداز میں اپنا خیال بتایا۔ بے تاثر چہرہ تمتما اٹھا تھا۔

"اپنے مشورے تم اپنے پاس رکھو۔ مجھے کسی کے مشوروں کی ضرورت ہے نہ مدد کی۔ شکریہ!"

"اچھا میں نے تو تمہارے ہی فائدے کی بات کی تھی۔بٹ ایز یو وش۔(لیکن جیسا تم چاہو)" وہ کندھے اچکاتا اس کے آگے چلنے لگا۔بسمہ نے سالم نگاہوں سے اس کی پشت کو گھورا۔

"کیا مشورہ ہے۔؟" وہ سرسری انداز میں کہہ رہی تھی۔مومن نے نچلا لب دبایا۔ تو وہ یہ بات قبول کر رہی تھی کہ اس کی زبان بہت تیز چلتی ہے۔

"میرا مشورہ ایک محدود مدت تک ہوتا ہے مدت ختم، مشورہ ختم۔" وہ تپی ہوئی کو مزید تپا رہا تھا۔

"میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے سے پہلے مجھے بتا دو ورنہ کچا چبا جاؤں گی۔"

"کیوں آدم خور ہو تم جو کچا چبا جاؤ گی۔؟" مومن آگ لگا رہا تھا۔اس کی باتیں جلتی پر تیل کا کام انجام دے رہی تھیں۔

"مومن ابراہیم۔" وہ دانت پیس کر تنبیہہ کرتی نظروں سے اسے وارن کر گئی۔

"اچھا سنو۔ جتنی تمہاری آواز خوبصورت ہے۔(بسمہ نے فرضی کالر جھاڑے)اور جتنی تمہاری زبان تیز چلتی ہے(اس نے آنکھیں گھمائیں)وہ سامنے سگنل دیکھ رہی ہو۔وہاں بیٹھ کر مانگنا شروع کر دو۔قسم سے جھولی بھر جائے گی تمہاری۔"مومن نے اندر کی جانب بڑھتے مڑ کر دور نظر آتے سگنل کی جانب اشارہ کیا۔بسمہ کا چہرہ اہانت سے سرخ ہوا تھا۔اس کے چہرے کے خونخوار تاثرات سے محفوظ ہوتا وہ ایک جانب کھسکا۔

"مومن ابراہیم میں تمہاری جان لے لوں گی۔"وہ چیل کی طرح پنجے جھاڑ کر اس پر جھپٹنے لگی تھی۔مومن نے اس کے حملے کو ناکام بناتے ہسپتال کے اندر کی جانب دوڑ لگائی تھی۔

مومن سے بات کرتا ملک تیز روی سے گاڑی چلا رہا تھا۔وہ دور ویہ سڑک سنسان تھی۔صبح کا وقت تھا اور آج دن بھی اتوار کا تھا۔اتوار مطلب سارے کاروباری

لوگوں کی چھٹی کا دن۔ سڑک کے درمیان میں بنی فٹ پاتھ پر ہرے بھرے درخت لگے نظر آرہے تھے۔ تبھی کافی دور سے اسے گاڑی کی ونڈ سکرین سے اس فٹ پاتھ پر ایک لڑکی بیٹھی دکھائی دی۔ ناجانے ایسا کیا تھا جو وہ لڑکی صبح کے اس وقت وہاں تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔ فون کے سپیکر سے مومن ابراہیم کی آواز آرہی تھی۔ گاڑی اس لڑکی کے قریب سے گزری۔

ملک نے اس پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالی۔ ایسے ہی کوئی شک سا گزرا تھا۔ دل واہموں میں گھرا تھا لیکن گاڑی آگے بڑھتی گئی۔ اگلے ہی لمحے ٹائروں کی چرچراہٹ کے ساتھ ملک نے گاڑی ریورس کی سانس سینے میں اٹک گیا اگر جو اس کا وہم سچ نکلا؟ ملک نے گاڑی اس لڑکی کے قریب روکی۔

گاڑی کے دروازے کی ٹھک کی آواز پر لڑکی نے چہرہ اٹھایا اور اپنے سامنے کھڑے اس مرد کو دیکھا۔

www.novelsclubb.com

"جیا سکندر۔" ملک کے لبوں نے حرکت کی۔ جیا اپنی ہی جگہ ساکت ہوئی تھی۔ کیوں؟ وہ ہمیشہ اسے مفلسی کی حالت میں ہی کیوں ملتی تھی؟

"اینجل۔" ملک نے دیکھا اس کی آنکھیں رو رو کر حشر کا سامان کر رہی تھیں۔ سیاہ آنکھوں میں تیرتا پانی سمندر کی سیاہی لیے ہوئے تھا بالکل ایسے ہی جیسے ہیزل گرین آنکھیں کسی گمنام جنگل کا گمان دینے لگتی تھیں۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔؟" ملک نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"وو۔ وہ۔ میں۔ میں یہاں۔" جیا سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ کیا وہ اسے یہ بتاتی کہ اس کے شوہر نے اسے گھر سے دربدر کر دیا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے وہ فٹ پاتھ پر بیٹھی رو رہی تھی۔ ملک نے کرب کی انتہا کو چھوتی جیا سکندر کا کندھا تھپکنا چاہا۔ اس کے چھونے سے جیسے جیا سکندر کو کرنٹ سا لگا تھا۔ وہ اچھل کر اس سے دور ہٹی۔ ملک نے ضبط سے لب بھینچے۔

"کوئی ایسی بات ضرور ہے جیا سکندر جو تمہیں اس فٹ پاتھ تک کھینچ لائی ہے۔" ملک اس کے ساتھ آ بیٹھا۔

"انہوں نے مجھ پر یقین نہیں کیا۔ایک بار بھی نہیں سوچا کہ مجھ پر کیا بیتے گی۔میں کہاں جاؤں گی انہیں زرہ برابر احساس نہیں ہوا۔" وہ ٹرانس کی کیفیت میں بولی تھی۔ساتھ بیٹھا وہ شخص اس کی اذیت کا ازالہ کرتا تھا۔وہ کیسے خاموش رہتی۔؟ ملک کے دماغ نے دو جمع دو چار کرتے معاملے کی تہہ تک رسائی حاصل کی تھی۔

"فی الحال تمہارا یہاں بیٹھنا ٹھیک نہیں ہے۔یہ دنیا چیلوں اور کوؤں سے بھری پڑی ہے۔جو تمہیں نوچ کھائیں گے۔مشکل وقت اللہ کی طرف سے آزمائش ہے جیا۔ بہادر بنو اور ڈٹ کر ان حالات سے نمٹنے کی کوشش کرو۔بنت حوا کمزور نہیں طاقتوروں پر بھاری ہے۔" جیا نے اس کی بات پر گالوں پر گرتے آنسو پونچھے۔

"ایسے ہی نوچ کھائیں گے کوئی شکار نہیں ہوں میں۔لاوارث ہی سہی لیکن اپنا گھر ہے میرے پاس۔گل زرین سکندر کی آدھی سے زیادہ پراپرٹی کی حقدار ہوں میں۔"وہ لمبی سانس لیتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اکلوتی ہو۔؟"ملک نے داد دیتی نگاہوں سے استفسار کیا۔

"اکلوتی تھی نہیں اکلوتی ہو گئی ہوں۔"اس کے لہجے کا اداس پن ملک کا دل چھلنی کر گیا۔

"اب کہاں جاؤ گی۔؟"

"اپنی حویلی۔سکندر حویلی۔"اب کہ لہجے میں مغرور پن در آیا تھا۔

"میں ڈراپ کر دوں۔"ملک نے سنجیدہ انداز میں پیشکش کی۔جیا کشمکش میں گھری اس کی گاڑی کو دیکھنے لگی۔ایسے کیسے کسی اجنبی پر یقین کر جاتی۔لیکن کیا وہ اجنبی تھا؟

"ڈرو مت۔ تم میری بہن ہو۔اور یہ محافظ اپنی چلتی سانسوں تک تمہاری حفاظت کر سکتا ہے۔ تم مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہو۔" جیا اپنی جگہ چور سی ہوئی تھی۔

"بہن!" اس کی آنکھوں میں چمک ابھری۔

"ہاں تم مجھے اپنا بھائی سمجھ کر بھروسہ کر سکتی ہو۔ کیا نہیں کر سکتی.؟" ملک نے استفہام کیا

"ای۔ایسی بات نہیں ہے اینجل۔ میں تو بس آپ کو زحمت۔"

"اوہ کم آن جیا چلو بھی اب۔" ملک کی بات پر وہ گہری سانس ہوا کے سپرد کرتی گاڑی میں جا بیٹھی۔ سکندر حویلی وہی جگہ تھی جو جیا سکندر کو اسکیپ فراہم کرتی تھی۔ خیالوں میں گم جیا سکندر ملک کو ایڈریس بتانا بھول چکی تھی۔ ہوش تو تب آیا جب گاڑی ایک دم سے بریک لگنے پر رکی۔ جیا نے آس پاس دیکھا وہ سکندر حویلی کے سامنے تھی۔ وہ تمام خیالات جھٹکتی گاڑی سے اتر کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔

"حد ہے بندہ جھوٹے منہ اتنی گرمی میں پانی ہی پوچھ لیتا ہے۔"اپنی گاڑی ریورس کرتا ملک منہ ہی منہ میں بڑبڑایا تھا۔

ماضی:

"ہائے جہانداد ملک واٹ آ پلیزینٹ سرپرائز۔"ایک پچیس چھبیس سالہ لڑکی اس کے قریب صوفے پر آ بیٹھی تھی۔وہ اس وقت ایک کلب میں بیٹھا ہوا تھا۔جہانداد ملک نے بیزاری سے اس لڑکی کو خود سے دور کرتے موبائل پر نظریں جھکائیں۔ وہاں چلتی ریکارڈنگ ان کے چودہ طبق روشن کر رہی تھی۔اگلے چند لمحات میں وہ اس لڑکی کی جانب پشت کیے کھڑا جھنجھلاہٹ سے کسی سے بات کر رہا تھا۔

"مام آئی سوئیر۔میں صدف کے ساتھ بہت برا پیش آؤں گا اگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئی تو۔وہ اس دو ٹکے کے لڑکے کے ساتھ اپنے عشق کی داستانیں رقم کر

رہی ہے اور آپ دونوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہوئے ہیں۔" دوسری جانب سے اپنی بیٹی کے کردار کی گواہیاں دی جارہی تھیں۔ لیکن وہ نفی میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"فائن اب جو کرنا ہوگا مجھے خود ہی کرنا ہوگا۔اور ایک آخری بات آپ صوفیہ قریشی کے سلسلے میں ان کے ماں باپ سے بات کریں میں جلد از جلد نکاح کرنا چاہتا ہوں۔" کہہ کر وہ کال بند کر گیا۔کلب میں موجود نوجوان نسل سب کچھ بھلائے رنگ رلیوں میں مصروف تھی۔اسی ماحول کی مصروفیت میں کھو جانے میں اسے دیر نہیں لگی تھی۔

---

www.novelsclubb.com

جہانداد ملک کی دھمکی کارآمد ثابت ہوئی تھی۔انہوں نے صدف کو بلا کر استفسار کیا۔وہ بلا جھجک اپنی اور واجد کی محبت کو ان کے سامنے رکھ گئی تھی۔دردانہ بیگم صدمے کی حالت میں اس کی شکل دیکھ کر رہ گئیں۔وہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی اس کی

خواہش کو نظر انداز کر کے وہ اس کا دل نہیں مار سکتی تھیں۔ لیکن جہانداد ملک کی صوفیہ قریشی کے لیے محبت سے بھی وہ واقف تھیں۔

صدف کی واجد سے شادی مطلب صوفیہ اور جہانداد ملک کے رشتے کا خاتمہ تھی۔ آنے والے دنوں اور ہفتوں میں صدف ملک کی شادی صوفیہ قریشی کے بھائی حدید قریشی سے طہ پا گئی تھی۔ واجد سکندر کا رابطہ اپنے گھر والوں سے نہیں ہو پا رہا تھا اور ادھر صدف کی شادی کی تیاریاں دیکھ کر اس کے ہاتھ پیر پھول رہے تھے۔

وہ ایک دن یونیورسٹی سے واپسی پر صدف کے گھر والوں سے بات کرنے کی غرض سے ان کے گھر آیا تھا لیکن گارڈ نے اسے دروازے سے ہی رخصت کر دیا۔ وہ ایک بات جان گیا کہ جب گھی سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو انگلی ٹیڑھی کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اسے وقت درکار تھا۔

حال:

اس نے دھیرے سے اپنی آنکھوں کے بھاری پپوٹے وا کیے تو سامنے کا منظر واضح ہوا۔اس نے گردن دائیں جانب موڑنی چاہی لیکن اس نے حرکت نہیں کی۔سر بھاری تھا منوں بوجھ سے بھی زیادہ بھاری۔

"فریال"اس کے بائیں جانب سے کسی لڑکی کی آواز ابھری۔اب کی بار اس نے تکلیف سے گردن اس جانب موڑ ہی لی۔درد تو ہوا تھا لیکن خیر وہ ایک مضبوط لڑکی تھی۔بس پتہ نہیں اس روز اسے کیا ہوا تھا۔اچانک سے اس کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیلتی گئیں۔

"آپ۔آپ کو کیا ہوا۔؟یہ چوٹ کیسے لگی۔؟"اس نے حیرت سے اپنے بائیں جانب بیٹھے عبید باجوہ سے استفسار کیا۔اس کے ماتھے پر پٹی لگی ہوئی تھی اور ایسی ہی ایک پٹی کی مدد سے اس کے بازو کو جکڑ کر کندھے سے باندھا گیا تھا۔

"دیکھ لو تمہاری خاطر میں نے جان کی بازی بھی لگا دی۔"وہ ہنس دیا۔بسمہ بے ساختہ مسکرا دی۔

"لیکن یہ چوٹ کیسے آئی آپ کو۔؟" وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"جب آپ میڈم بے ہوش تھیں۔"

"وہ بے ہوش نہیں تھی نیند میں تھی۔" بسمہ نے عبید باجوہ کو ٹوکا۔ آہ یہ بیسٹیز اور ان کی محبت۔

"اوہ اچھا مجھے تو لگا اس دنیا سے کوچ کر گئی ہو گی۔" بسمہ اور فریال دونوں نے عبید باجوہ کو گھورا۔ وہ گڑ بڑا گیا۔

"اچھا اچھا۔ میں تو کچھ بول ہی نہیں رہا۔" وہ ان دونوں لڑکیوں سے لڑائی یا ناراضگی مول نہیں لے سکتا تھا۔ ایک بسمہ شارق تھی جو اس کی بہن جیسی تھی اور دوسری فریال ساجد تھی جو کم از کم اس کی بہن جیسی تو نہ تھی۔

"ویسے بسمہ تمہیں نہیں لگتا ہمیں فریال کو اصل حقیقت بتانی چاہیے۔" کچھ دیر بعد عبید باجوہ کی آواز ابھری۔

"نہیں۔" بسمہ کا بے رنگ چہرہ سپاٹ ہوا تھا۔ فریال نے چونک کر ان دونوں کو دیکھا۔

"آپ دونوں مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں کیا۔؟" اس نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"نہیں۔" بسمہ دوبارہ بولی۔ فریال کا دل چاہا قریب لگا آئی۔ سی۔یو۔ مونیٹر اٹھا کر اسے دے مارا۔ لیکن دل کی چاہ بھی کبھی پوری ہوئی ہے۔

"کیا صبح ناشتے میں 'نہیں' کھا کر آئی ہو۔" مومن ابراہیم ان کی باتیں سنتا اندر داخل ہوا تھا۔ ہاتھ میں نیلے رنگ کی فائل تھی۔

"نہیں۔ یہ کوئی نئی ڈش ہے کیا۔؟" بسمہ نے آنکھیں ٹپٹپائیں۔ انداز وہی تھا کہ کہہ لو جو کہنا ہے بسمہ شارق کو کون سا کوئی فرق پڑتا ہے۔

"ہاں مومن ابراہیم کی ایجاد کردہ نئی ڈش ہے۔" وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔

"کچھ کہا تم نے۔؟" فریال اور عبید باجوہ حیرت سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"فکر نہیں کریں حضور آپ کی شان میں عرض کرنے کے لیے قصیدہ نہیں کہا۔" اس نے فائل فریال کے بیڈ کی پائنتی پر لگے ٹیبل پر دھری۔ جواباً بسمہ شارق بھی کچھ بڑبڑائی تھی لیکن وہ اگنور کر گیا۔

"آپ کے ڈسچارج پیپرز ریڈی ہو چکے ہیں فریال۔ اب آپ واپس جا سکتی ہے لیکن۔" وہ یونہی لیکن کہہ کر بات ادھوری چھوڑا کرتا تھا۔

"بسمہ آپ کے ساتھ نہیں جائے گی۔ عبید باجوہ آپ کو ہاسٹل چھوڑ آئے گا اور آپ کی دیکھ بھال کے لیے مکمل ایک نرس کا انتظام کیا گیا ہے۔ ہم آپ کی ہیلتھ کے متعلق کوئی رسک نہیں لے سکتے۔ گاٹ اٹ۔؟" مومن نے نرمی سے اس کے سر کے عین اوپر مقام پر زوردار دھماکہ کیا تھا۔

فریال جو "مومن ابراہیم" کے خود سے مخاطب ہونے پر کھوئی ہوئی تھی وہیں بسمہ والی بات پر افسردگی چھا گئی۔

"یہ میرے ساتھ کیوں نہیں جاسکتی۔؟"اس نے بسمہ کی جانب اشارہ کیا۔وہ فریال کے معصومانہ انداز پر فدا ہوتی اس کے ساتھ آبیٹھی تھی۔

"یہ آپ کی ماں ہیں۔؟"پہلا استفسار ہوا۔

"نہیں"اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو کیا پھر رشتہ دار ہیں۔؟"دوسرا استفسار ہوا۔

"نہیں کوئی خونی رشتہ تو نہیں ہے۔"وہ منمنائی۔

"پھر یہ آپ کی کیا لگتی ہیں۔؟"تیسرا اور آخری استفسار۔فریال نے تھوک نگلا۔

"یہ میری بہن ہے۔(مومن نے آبرو اچکائے)مم۔میرا مطلب بہن جیسی دوست ہے۔"وہ بولی۔مومن نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"دیکھیں فریال ساجد۔'دی کینڈیڈیٹ آف ایم ایس ٹریننگ سینٹر'یہ دوستی ایک جعلی رشتہ ہوتی ہے۔ایک روز قیام پذیر ہوتی ہے تو بہت جلد اختتام پذیر بھی ہو

www.novelsclubb.com

جاتی ہے۔اس جذبے کو انسان جب کوئی نام نہیں دے پاتا تو وہ اسے دوستی کے نام سے جاننے لگتا ہے۔'دو'یعنی دو لوگ اور 'ستی' کا مطلب ساتھ یا وفاداری ہے۔دو لوگوں کے درمیان ایسا جذبہ جو خود پر وفاداری کا ملمع چڑھائے رکھتا ہے۔لیکن آج کے دور میں کوئی شخص مخلص نہیں، کوئی دوست وفادار نہیں۔آج کل کی دنیا میں دوستی کے نام پر فریب ملتا ہے۔فریب یعنی دھوکہ اور دغا۔ہمارے سینٹر کی ایک قابل شاگرد ہونے کے باعث آپ کو وقتی جذبات سے متاثر ہو کر دوستیاں گانٹھنے کی اجازت ہر گز نہیں ہے۔"آخر کار وہ خاموش ہو ہی گیا۔فریال کے وجود میں پھریری دوڑی تھی۔کیا دوستی اتنی بے مول ہوتی ہے۔؟

www.novelsclubb.com

"واؤ۔تمہیں تو موٹیویشنل سپیکر ہونا چاہیے تھا۔"بسمہ سے فریال کی حالت دیکھی نہیں گئی۔

"تم سے کسی نے مشورہ نہیں مانگا۔اپنے کام سے کام رکھواور تم ان دونوں کے ساتھ نہیں جانے والی میں گاڑی میں ویٹ کر رہا ہوں۔ جلدی آؤ۔" وہ سنجیدگی سے کہتا باہر نکل گیا۔

بسمہ نے آنکھوں میں ابھرتی نمی کو واپس دھکیلا۔سفاک۔سنگ دل۔کھڑوس اور سڑو۔وہ اس کی شان میں گستاخیاں کر رہی تھی۔

صوفیہ ابراہیم کے حویلی سے چلے جانے کی خبر ابھی تک کسی کو بھی معلوم نہیں ہوئی تھی۔جہانداد ملک اضطراب کی کیفیت میں ہاتھ ملتے فون پر دوسری جانب جاتی گھنٹی سن رہے تھے۔کچھ پل بعد فون اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو کہاں مر گئے ہو تم ابھی تک تو کام ہو جانا چاہیے تھا۔" جہانداد ملک نے چھوٹتے ہی سوال داغا۔دوسری جانب کھڑے ندیم دارا نے ایک نظر اپنے عقب میں ڈالی وہاں اداس سی صوفیہ ابراھیم بیٹھی ہوئی تھیں۔

"آپ فکر نہیں کریں مالک بس کچھ دیر مزید لگے گی پھر آپ کا کام مکمل ہو جائے"

"اچھا ٹھیک ہے جلدی کرو۔اور مجھے کوئی اچھی خبر سناؤ۔"وہ کال کاٹ گئے ندیم نے کھا جانے والی نظروں سے فون کو گھورا۔

"کون سے کام کی بات کر رہے ہو تم لوگ۔؟"وہ پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔

"ظاہر ہے پارٹ ٹائم قتل و غارتگری کا کام کرتا ہوں۔ملک کے نام کی سپاری دی ہے مجھے جہانداد نے۔اب بس ملک کو اس کے انجام تک پہنچانا ہے۔"وہ کڑوے کسیلے لہجے میں بولتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

"جیسے میرے خاندان کو تباہ کیا تھا تم لوگوں نے۔"وہ آہستہ سے بولی تھیں۔

واپسی کا راستہ ہمیشہ کٹھن ہوتا ہے۔وہ بھی اپنا قیمتی اثاثہ سکندر حویلی کے حوالے کر کے آ رہا تھا۔جیا سکندر اس کی بہن تھی اور وہ اس کا محافظ۔کیا وہ حقیقت پتہ چلنے پر

اسے معاف کر پائے گی؟ سوالات اس کے ذہن کا احاطہ کیے ہوئے تھے۔ تبھی اسے کوئی احساس ہوا۔ کچھ غیر شناسا سا احساس جو آج سے پہلے کبھی معلوم نہیں ہوا تھا۔

بیک ویو مرر میں تین گاڑیاں اس کے تعاقب میں نظر آنے لگیں۔ اس نے گاڑی کی رفتار آہستہ کر دی۔ گاڑیاں مزید تیزی سے اس کے قریب آنے کی تگ و دو کر رہی تھیں۔ ملک کو اپنے آس پاس خطرہ منڈلاتا محسوس ہوا۔ گاڑی کی رفتار ایک دم سے بڑھائی۔ تیز بہت تیز لیکن دو گاڑیاں ایک دم سے اس کے آگے آ کر رک گئیں۔ اس نے گاڑی کو بریک لگائے۔ ٹائروں کی چڑچڑاہٹ سے وہ چاروں گاڑیاں ایک دوسرے کے سامنے تھیں۔ یہ سڑک بہت کشادہ تھی۔

ملک نے دیکھا سامنے گاڑی سے دو بندے باہر نکل کر کھڑے ہو چکے تھے۔ انہوں نے مکمل سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ پھولے مسلز اور تنومند جسم کے مالک۔ ملک نے دایاں آئبرو اٹھایا۔ اس سے پہلے کہ وہ لوگ اس کی گاڑی کے قریب آتے۔ ملک

نے پھرتی سے ڈیش بورڈ کے باکس کو کھنگالا۔سامنے خالی ڈبہ اس کو منہ چڑا رہا تھا۔ ملک کو یاد آیا وہ اپنی گاڑی لے کر گھر سے نہیں نکلا تھا۔اس کی مطلوبہ شے اس کی اپنی گاڑی میں تھی۔

"ساری مصیبتیں آج ہی کے دن آنی تھیں۔" وہ بڑبڑاتا ہوا باہر نکلا۔آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگایا۔اس نے دیکھا ایک گاڑی اس کے عقب میں بھی کھڑی تھی۔

"بھائی صاحب گاڑی ہٹائیں۔" اس کی بات پر سامنے کھڑے لوگوں کا قہقہہ بلند ہوا۔ہاں ویسا ہی جیسا تم موویز میں غنڈوں کو لگاتے دیکھتے ہو۔

"کیوں بے تیری بس نکلی جا رہی ہے۔" ان میں سے ایک اس کے قریب آیا۔ شانے پر ہاتھ رکھے وہ گویا ہوا۔

"بس تو نہیں لیکن تم لوگوں کی ہوا ضرور نکلنے والی ہے۔" ملک نے اس کا ہاتھ اپنے شانے پر سے ہٹا کر مڑوڑا۔کڑک کی آواز سے اس کا بازو شاید شانے سے جدا ہوا تھا۔ایک زوردار چیخ۔۔اور خون اس کے منہ سے فوارے کی صورت بہہ نکلا۔

"کیوں نکل گئی ہوا۔؟" ملک نے اس کے سینے پر اپنا بھاری بوٹوں والا پیر رکھا۔

"اے ے۔" دوسرا شخص چیختا ہوا آگے بڑھا۔

"سوری میں یہاں تمہیں اے۔بی۔سی نہیں سکھا سکتا۔" ملک نیچے جھکا۔اس شخص کا نشانہ چوکا۔

"تیری تو۔" ملک کے جسم میں بجلی دوڑی تھی۔وہ آگے بڑھا اور پے در پے مکوں اور گھونسوں سے مقابل شخص کا منہ توڑ دیا۔ایک اس کو چھونے کی غلطی کر بیٹھا تھا تو دوسرا اس کے بارے میں الفاظ کا چناؤ غلط کر رہا تھا۔

"کوئی اور بھی ہے کیا۔؟" ملک نے باقی رہ جانے والوں کو للکارا۔ان تینوں سیاہ شیشوں والی گاڑیوں سے یکے بعد دیگرے کئی ویسے ہی بندے باہر نکلے تھے۔

"او تیری۔" ملک دل میں بولا۔خطرے کو خود دعوت دے کر وہ پچھتا رہا تھا۔

تبھی گولیوں کی آواز ہوا میں ابھری۔ان گنت گولیاں۔ملک نے نگاہ اپنے ارد گرد دوڑائی وہاں تین سے چار گارڈ ڈھیر ہوئے پڑے تھے۔ملک نے آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھا۔یہ کیسے ہوا؟

"بھائی۔"کسی کی چیخ یک دم کراہ میں بدل گئی۔ملک کا دل ایک لمحے کے لیے سکڑ کر پھیلا۔'بھائی' یہ لفظ اسے صرف ایک شخص بول سکتا تھا۔

"یہ امتحان نہ لئیں میرے اللہ۔"اس کے دل نے صدا بلند کی۔اس کے سامنے کوئی شخص گھٹنوں کے بل گرا تھا۔

ملک کی نگاہ اس کی پھٹی ہوئی قمیض پر گئی۔اس نے گولی لگنے والے فرد کو نیچے گرنے سے پہلے ہی تھام لیا تھا۔

"نن۔ندیم۔"ملک نے اپنی بانہوں میں زندگی کی آخری سانسیں بھرتے ندیم کو دیکھا۔وہ یہاں کیوں آیا تھا۔اور کیا ان تمام کو مارنے والا بھی ندیم تھا۔؟لیکن ایک

بات ملک کو پریشان کر گئی کہ وہ اسے لگنے والی گولی کے سامنے کیوں آیا تھا۔؟ وہ شخص کیا تھا۔ جہانداد کا رائٹ ہینڈ یا اس کو بچانے آنے والا فرشتہ۔؟

وہاں سے باقی کے تمام لوگ رفو چکر ہوئے تھے۔ جانتے جو تھے اب ان کی خیر نہیں۔ ملک نے سالم نگاہوں سے سامنے دور جاتی گاڑیوں کو دیکھا۔ وہ اپنا وقت ضائع کیے بغیر ندیم کو گاڑی میں ڈالتا ہاسپٹل کی جانب روانہ ہوا تھا۔

ماضی:

"یہ کیسی باتیں کر رہے ہو قاسم ایسے کیسے تم اپنی بیٹی کو بھگا کر میری بیٹی کا نکاح چاہتے ہو۔ ہوش میں تو ہو تم۔ تمہاری وہ غدار بیٹی تمہارے منہ پر کالک مل کر چلی گئی اور تم یوں بیٹھے ہو۔ کیا عزت غیرت سب مر گئی ہے تمہارے اندر۔" اس وقت جہانداد ملک اور قاسم ملک صوفیہ قریشی کے ماں باپ کے سامنے بیٹھے تھے۔ ان کی باتیں قاسم اور جہانداد ملک کو جھنجھوڑ رہی تھیں۔

"دیکھیں جو ہوا اسے بھول جائیں حدید کو صدف (بدبخت) سے بہتر کوئی بھی مل سکتی ہے۔آپ جہانداد اور صوفیہ کا رشتہ تو خراب مت کریں۔" وہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑے ہوئے تھے۔لیکن سامنے ان کے چہرے سے انکار واضح تھا۔

"صوفیہ اور حدید کا نکاح اسی تاریخ پر ہو گا۔لیکن تمہارے بیٹے کے ساتھ نہیں۔" وہ دوٹوک بول رہے تھے۔جہانداد ملک کی آنکھیں آگ اگلنے لگیں۔

"آپ ایسا نہیں کر سکتے انکل۔صوفیہ میری منگ ہے میں اس سے محبت کرتا ہوں۔میں مر جاؤں گا لیکن اپنی منگ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

www.novelsclubb.com

"زبان سنبھال کر بات کرو ملک۔بہن ہے وہ میری۔" حدید قریشی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تو وہ بھی اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے۔دروازے کی اوٹ میں چھپ کر سارا منظر دیکھتی صوفیہ قریشی کی ہتھیلیاں پسینے سے تر تھیں۔

وہ حدید کے ساتھ ہوئی جھڑپ پر تن فن کرتا ڈرائنگ روم سے باہر نکلا تھا۔ وہاں چھپ کر کھڑی صوفیہ قریشی کو دیکھتے اس کے قدم تھم گئے۔ آس پاس کی دنیا کو ساکت کر کے وہ صوفیہ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ وہ نظریں چرا گئی۔ وہ یہی تو کرتی آئی تھی۔

"پندرہ سال۔ پندرہ سال دیے تھے میں نے تمہیں خود سے محبت کرنے کے لیے۔" وہ اس کے سامنے سراپائے سوال بنا کھڑا تھا۔

"میری محبت میں، میری دعاؤں میں کون سی کمی رہ گئی صوفیہ کہ تم نے میری محبت کو بھاڑ میں جھونک کر میری ہی بہن کو بھگانے کا پلین ترتیب دیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم دونوں کی شادی کی شرط ہی ان دونوں کا بندھن تھی۔؟" وہ نظریں جھکائے ہوئے تھی۔ کانفیڈینٹ اور بولڈ صوفیہ قریشی کہیں دور جا سوئی تھی۔

"بولو جواب دو مجھے۔" جہانداد ملک نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑا۔

"میں نہیں کرنا چاہتی تم سے شادی۔ بار بار کی کہی ایک ہی بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتی جہانداد ملک۔ میں نفرت کرتی ہوں تم سے شدید نفرت آج سے نہیں اس گھڑی سے جب تمہارا نام مجھ سے جوڑا گیا۔ ہر اس لمحے سے جس میں مجھے تمہارے ساتھ منسوب کیا گیا۔" وہ اپنا جواب سناتی وہاں سے بھاگ گئی تھی۔

"ایک ایک کو دیکھ لوں گا میں کوئی نہیں بچے گا میرے عتاب سے۔" وہ دھاڑتا ہوا انہیں اپنے ارادے سے آگاہ کر رہا تھا۔

"کیا ہوا حدید ابھی تک پہنچا نہیں۔" ان کی بات پر قریشی صاحب نے نفی میں سر ہلایا۔ ہر کوئی پریشان تھا۔ نکاح میں وقت کم رہ گیا تھا۔ صوفیہ قریشی سٹیج پر براجمان راہ تک رہی تھی۔ اس کے ساتھ براجمان ابراہیم داؤد سامنے پریشان حال کھڑے گھر والوں کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن آنے والا آ کر ہی نہیں دے رہا تھا۔

حدید قریشی کی غیر موجودگی میں ہی صوفیہ قریشی کو ابراہیم داؤد کے عقد میں دے دیا گیا۔وہ صوفیہ قریشی سے صوفیہ ابراہیم بن گئی تھی۔اتنے قیمتی لمحات میں اپنے بھائی کی کمی کو محسوس کرتی صوفیہ ابراہیم آنسوؤں میں رخصت ہوئی تو وہیں حدید قریشی کی گمشدگی کا سراغ لگانے کے لیے قریشی صاحب نے اپنے بندے اس کی تلاش میں لگائے تھے۔

حدید قریشی کی تلاش اگلے ہی دن ختم ہوئی تھی لیکن ملنے والا حدید قریشی نہیں بلکہ اس کی لاش تھی۔

---

www.novelsclubb.com

حال:

گاڑی میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔دوں وں نفوس چپ سادھے بیٹھے تھے۔بسمہ شارق کھڑکی سے باہر دوڑتے مناظر کو دیکھ رہی تھی۔کیا اس کا باپ واقعی اسے مارنے کی کوشش کر سکتا تھا۔؟وہ سوچ کر رہ گئی۔ مومن نے کن اکھیوں سے

اسے دیکھا وہ ایک ہاتھ تھوڑی تلے رکھے نظریں دوسری جانب ٹکائے ہوئے تھی۔

آہ وہ بات کیوں نہیں کر رہی تھی۔؟مومن سوچ کر رہ گیا۔

"تم نے غلط کہا تھا مومن ابراہیم۔"مومن نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ابھی ہی تو وہ اس کے بولنے کی خواہش کر رہا تھا لیکن کیوں؟

"کیا غلط کہا تھا میں نے۔؟"مومن نے پوچھا۔

"یہی کہ دوستی فریب کا دوسرا نام ہے۔غلط کہا بالکل غلط کہا۔"بسمہ نے اپنا رخ اس کی جانب موڑا۔باہر سیاہ سڑک کے اوپر بچھے نیلے آسمان پر ہلکی کالی گھٹائیں چھا رہی تھیں۔

www.novelsclubb.com

"کیسے؟"

"تم نے کہا دوستی کا خول وفاداری ہے۔جبکہ ایسا نہیں ہے آج کی دنیا میں دوستی وہ واحد جذبہ اور احساس ہے جو دو انسانوں کو آپس میں باندھے رکھتا ہے۔یہ محبت یا

نفرت نہیں دوستی ہی ہے جو آج کی دنیا میں بھی انسان دوسروں پر بھروسہ کر جاتا ہے۔"وہ دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی۔مومن غور سے اسے سنتا گیا۔

"تم کہتے ہو دوستی ایک جعلی رشتہ ہے۔اگر یہ رشتہ جعلی ہوتا تو تم ملک سر سے اتنے وفادار کیسے ہوتے۔؟"سوالیہ آنکھیں بھوری آنکھوں میں گاڑ دیں۔

"وہ میرے دوست نہیں ہیں۔میرے بھائی ہیں۔ایک باپ ہیں اور ایک فرشتہ ہیں۔اینجل۔"مومن جب بھی اس کا ذکر کرتا تھا یونہی لہجے میں مٹھاس در آتی تھی۔

"لیکن خونی رشتہ تو کوئی نہیں ہے ناں۔؟اور جب تم اس جذبے کو نام نہیں دے پا رہے تو تم اسے بھائی چارہ کہہ رہے ہو۔اور جانتے ہو بھائی چارہ کی بنیاد کیا ہے۔ برابری اور مساوات۔ایک دوجے کو کمتر نہ جاننا۔خود پر ترجیح دینا۔اور سب سے بڑھ کر اس کا خیال رکھنا۔یہ بھائی چارہ ہے۔برابری ہے۔اور اسی کا دوسرا نام دوستی ہے۔دوستی معنی وفاداری اور ساتھ۔"وہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

"میں نہیں جانتا تھا تم اتنی گہری بات بھی کر سکتی ہو۔ بائے داوے ہر انسان کا پوائنٹ آف ویو مختلف ہوتا ہے۔ جیسے میرا تم سے مختلف ہے۔" وہ کندھے اچکا گیا۔ بسمہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

"ہر انسان کا پرسپیکٹو مختلف ہو سکتا ہے لیکن دل سب کا ایک ہی ہوتا ہے مومن ابراہیم۔ کسی بھی چیز کے دل کو اچھا لگنے کے لیے وجہ کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور تمہاری لوجک اور تھیوری میں جھول ہے۔"

"اوکے آئی سرینڈرڈ۔" مومن نے سر ہلایا۔ وہ اس کی بات سے متفق نظر آتا تھا۔ بات وہی تھی دل سب کا ایک ہی ہوتا ہے ایک ہی جیسے جذبات پاتا ہے۔ ایک ہی طرح کی محبت کرتا ہے بس کچھ لوگ اس میں فرق کرنے لگتے ہیں۔

باہر آسمان مکمل سیاہ ہو گیا تھا۔

"تمہیں یقین نہیں ہے ناں تو تم مجھ سے دوستی کر کے دیکھ لو۔" بسمہ نے اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھایا۔ مومن نے حیرت سے دیکھا سفید مخروطی انگلیاں اس کی

جانب تھیں۔وہ اسے دوسری مرتبہ دوستی کی آفر کر رہی تھی۔بسمہ کچھ بولنے لگی جب ڈیش بورڈ پر رکھے مومن ابراہیم کے موبائل نے بیپ کی تھی۔میسج ٹون۔

مومن نے گاڑی سڑک کے ایک جانب روکی۔بارش شروع ہو چکی تھی۔بسمہ اب تک اسے ہی دیکھ رہی تھی۔دوستی کی جانب بڑھایا جانے والا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا تھا۔اس کے دل کو کچھ ہوا۔

مومن نے موبائل اٹھا کر دیکھا۔نمبر شناسا تھا ایسا کہ بس کانٹیکٹ لسٹ میں محفوظ پڑا ہوا خیر۔اس نے میسج کھولا۔

"ملک کو بچاؤ مومن۔جہانداد ملک نے اس پر قاتلانہ حملہ کروایا ہے۔"فقط دو سطریں۔مومن کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا۔گاڑی میں حبس بڑھنے لگی۔بسمہ نے اس کی پیشانی پر نمودار ہوتے پسینے کے قطرے دیکھے۔پھر اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

"ازایوری تھنگ آلرائیٹ۔؟"مومن نے نم ہوتی آنکھوں سے بسمہ کو دیکھااور پھر وہ نظریں موبائل پر ٹکا گیا۔ایک موہوم سی امید دل میں جاگی تھی۔دل میں ہاں دل میں جہاں محبت جنم لیتی ہے۔بسمہ ٹھیک تھی اس نے اعتراف کیا۔

ہر موبائل میں ایک فائنڈ مائی ڈیوائس ایپلیکیشن موجود ہوتی ہے۔انہوں نے بھی اسے ڈائونلوڈ کرر کھا تھا۔اس پر مومن ابراہیم اور ملک کے موبائل کا آئی۔ایم۔ای۔آئی۔نمبر لنکڈ تھا۔مومن کی انگلیوں نے ان تمام میں سے ایک کو دبایا۔

نقشہ کھلا اور فون کا آئیکن ابھرتا ایک جگہ سرخ بتی جلانے لگا۔مومن نے دیکھا وہ اسلام آباد کا ایک معروف ہاسپٹل تھا۔

"مومن۔؟"

"بب۔بھائی پر۔مرڈر۔اٹیمپٹ ہوا ہے۔"اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"اوہ میرے خدایا۔۔وہ ٹھیک ہیں ناں؟"مومن نے لب کاٹے اور کال ملائی۔دوسری جانب گھنٹی جا رہی تھی۔تیسری بیل پر کال اٹھالی گئی۔

"کیوں فون کیا ہے۔؟"انمول کا لہجہ پھاڑ کھانے والا تھا۔مومن نے خیالات جھٹکے۔

"ہیلو۔انمول بھائی پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے اور وہ اس وقت ہاسپٹل میں ہیں۔"اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتا بسمہ نے تپ کر اس سے موبائل چھینا اور کال کاٹی۔

"یو ڈفر۔تم پاگل ہو گئے ہو۔؟انمول کو بتانے کی کیا ضرورت تھی وہ گھر پر اکیلی ہیں اگر انہیں کچھ ہو گیا تو۔؟"بسمہ نے اسے لتارا۔مومن نے گہری سانس خارج کی۔وہ انہیں بتانا چاہتا تھا۔بالکل ویسے ہی جیسے ایک عرصہ پہلے ملک کو گولی لگنے کی اطلاع دی تھی۔لیکن وہ تب پہلے سے جانتی تھیں۔چند پُر سکون سانسیں لینے کے بعد اس نے گاڑی دوبارہ سٹارٹ کر کے اپنی منزل پر ڈالی۔

"سر کو کچھ نہیں ہو گا مومن وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" بسمہ نے اسے تسلی دی۔ وہ سر ہلا گیا۔

"میں بھائی کو کبھی کچھ ہونے ہی نہیں دوں گا" وہ اپنے دل میں دعا گو تھا۔

کمرہ سہہ پہر کی چھٹتی روشنی کے باعث نیم اندھیر تھا۔ کسی کے ہچکیوں میں رونے کی آوازیں کمرے کی در و دیوار سے سر پٹک کر واپس آتی تھیں۔ وہ اوندھے منہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ رو رو کر برا حال ہو چکا تھا۔ دفعتاً وہ اٹھی۔ بیڈ پر بیٹھے اس نے سامنے نظر آتی دیوار کو تکا۔ کھڑکی سے آتی روشنی اس دیوار کو منور کیے ہوئے تھی۔ سامنے دیکھتے ہی اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہاں سے تصاویر غائب تھیں۔ محض چند ایک تصاویر بچی تھیں۔ اسے یاد آیا چند ماہ پہلے وہ وہاں بہت سی تصاویر چھوڑ کر گئی تھی۔ لیکن اب؟

وہ آنسو پونچھتی کمرے سے باہر نکل آئی۔نیچے دالان میں ایک پینتس چھتیس سال کی ملازمہ صفائی کر رہی تھی۔

"باجی جی آپ آنے سے پہلے بتا دیتی میں پوری حویلی کی اچھے سے صفائی کر دیتی۔" وہ اس کی جانب دیکھ کر بولی۔

"میرے کمرے میں کون گیا تھا۔؟" وہ ہاتھ باندھے ملازمہ کے سامنے کھڑی تھی۔چہرہ بے تاثر تھا۔

"جج۔جی آپ کے کمرے میں۔قسم لے لیں باجی جی ہم نے کسی کے لیے بھی حویلی کے دروازے نہیں کھولے۔یہاں کوئی نہیں آیا۔" وہ ہاتھ جوڑ گئی۔

"میں شک نہیں کر رہی میری کچھ چیزیں مسنگ تھیں اس لیے پوچھا۔" وہ صفائی دیتی کچن کی جانب بڑھ گئی۔

"آپ کو بھوک لگی ہے؟ میں کچھ بنا دوں۔" جیا نے نفی میں سر ہلایا۔

"ویسے باجی جی آپ اپنا گھر کیوں چھوڑ آئی ہیں۔؟" وہ ٹوہ لے رہی تھی۔ہر ملازم ایسے ہی کرتا ہے۔اپنے مالک کی باتیں سن کر پھیلانا ان کا پسندیدہ مشغلہ ہوتا ہے۔

"کیوں آپ کو اچھی نہیں لگ رہی؟اور میرا گھر وہ نہیں یہ ہے۔" جیا نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

"توبہ باجی جی۔میں تو بس ایسے ہی بول رہی تھی۔" وہ واپس اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔جیا نے چائے کی کیتلی چڑھائی۔اس ملازمہ کا نام نجمہ تھا۔وہ اور اس کا شوہر پچھلے دس بارہ سالوں سے حویلی میں موجود انیکسی میں مقیم تھے۔حویلی کی اور اس میں موجود اس کی چیزوں کی حفاظت ان کے ذمے تھی۔وہ دونوں قابل اعتبار ملازم تھے۔جیا کا ذہن پھر سے تصویروں کی جانب چلا گیا۔آخر اس کے کمرے میں کون آیا تھا۔؟

مومن ابراہیم کی بات سن کر انمول کو اپنے ارد گرد دھماکے ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ کیوں آخر کیوں وہ خود کو اتنی تکلیف پہنچاتا تھا؟ اسے انمول کا یا خود سے جڑے رشتوں کا رتی برابر بھی احساس نہیں تھا۔ اپنی اور ملک کی باتیں اس کا وجود جھنجھوڑ رہی تھیں اگر جو اسے کچھ ہو گیا۔ وہ صرف سوچ سکی۔

اسے وہاں بیٹھے کچھ دیر ہی گزری تھی جب باہر دروازے پر بیل بجی۔ وہ کھڑی ہوئی۔ پانی سے دھوئے ہاتھ خشک ہو رہے تھے۔ برتن سنک میں ویسے ہی دھرے ہوئے تھے۔ اس نے بھاگ کر دروازہ کھولا۔ سامنے مومن ابراہیم کھڑا تھا اور اس کے ساتھ وہی سرمئی آنکھوں والی لڑکی۔

www.novelsclubb.com

"مم۔ مومن۔ ملک کہاں ہے وہ ٹھیک ہے ناں۔؟" اس کی آواز میں بے چینی تھی۔ خوف تھا۔ ڈر تھا۔ مومن کے دل کو کچھ ہوا۔

"وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ میں انہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔" مومن نے اسے تسلی دی۔ لیکن وہ مزید بھڑک گئی تھی۔

"جج۔ جھوٹ۔ جھوٹ بولتے ہو تم۔ جھوٹے ہو۔ تمہارے ہوتے ہوئے ملک وہاں ہسپتال میں ہے۔مجھے اس کے پاس جانا ہے خدارا مجھے وہاں لے جاؤ۔" وہ چیختی ہوئی مومن پر چڑھ دوڑی۔بسمہ خاموش تماشائی بنی کھڑی ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔انمول ملک مومن کے قریب کھڑی تھی۔بسمہ کے وجود میں بھانپڑ جلنے لگے۔

"میں پہلے بھی آپ کو ایک دفعہ ہسپتال لے جانے کی غلطی کر چکا ہوں انمول۔مزید میں کوئی غلطی دوہرا کر بھائی کی ناراضگی مول نہیں لے سکتا۔ معذرت میں آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔" وہ سر جھکائے ہوئے تھا۔

www.novelsclubb.com

"اگر ملک کو کچھ ہوا تو میں تمہاری جان لے لوں گی مومن ابراہیم۔" انمول نے اسے پیچھے کی جانب دھکا دیا۔وہ لڑکھڑایا تھا۔لیکن منہ سے کچھ نہیں بولا وہ اسے یہ نہیں کہہ پایا کہ وہ آہستہ آہستہ اس کی جان ہی تو لے رہی تھی۔اس کی سانسیں اس پر خود ہی تنگ پڑ رہی تھیں۔

"انمول آپ میرے ساتھ آئیں۔ سر کو کچھ نہیں ہو گا۔" بسمہ نے انمول کو تھاما۔ لیکن وہ اسے دور جھٹک گئی۔ مومن نفی میں سر ہلاتا واپسی ہو لیا۔ وہ یہاں بسمہ شارق کو چھوڑنے آیا تھا۔ اب اسے ہسپتال جانا تھا۔

"مومن مارک مائی ورڈز۔" وہ اب بھی چیخ رہی تھی۔ بسمہ نے دروازہ بند کر دیا۔ اور اسے لے کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ نا جانے کیوں چند لمحات قبل حسد کا عنصر نمایاں ہوا تھا۔ خیر یہ تو تب تب ہوتا تھا جب مومن ابراہیم کے دل کی بات آتی تھی۔

---

www.novelsclubb.com

وہ دھڑکتے دل کے ساتھ ہسپتال پہنچا تھا۔ مومن ابراہیم کا حال کسی دیوانے کے سا معلوم ہو رہا تھا۔ ریسیپشن ڈیسک پر اپنے مطلوبہ شخص کا پوچھ کر وہ فوراً ایک راہداری میں گم ہو گیا۔ سامنے ہی بینچوں کے قریب ملک اضطراب کی کیفیت میں ہاتھ ملتا ادھر سے ادھر گھن چکر بنا گھوم رہا تھا۔

"یااللہ تیرا شکر ہے۔" اس نے اپنے رب کا شکر ادا کیا۔ ملک کے قدم کسی شخص کے احساس سے تھمے تھے۔ اس نے رک کر اپنے بائیں جانب طویل راہداری میں دیکھا وہاں مومن ابراہیم کھڑا تھا ہاتھ پہلوؤں میں گرائے۔ پھر وہ آگے بڑھا اتنا کہ ملک کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ ملک کا دل ایک بار پھر پسیج گیا۔

"مومن۔ میرے بھائی۔" اس نے مومن کو شدت سے گلے لگایا۔ بس پسلیاں ٹوٹ جانے کی کسر باقی تھی۔

"ب۔ بھائی آپ ٹھیک ہیں۔؟" اس کی گھٹی گھٹی آواز نکلی۔ ملک نے اسے زور سے پکڑا ہوا تھا۔

www.novelsclubb.com

"ہاں اب میں ٹھیک ہوں۔" اس نے کسی بچے کی طرح مومن ابراہیم کا ماتھا چوما۔ مومن کا چہرہ خون چھلکانے لگا تھا۔

"کیا ہوا تھا بھائی آپ خیال کیوں نہیں رکھتے۔؟" وہ مستفسر ہوا۔

"آج اس لمحے جب تمہارا تصور بھی قیامت تھا تو مجھے احساس ہوا کہ مومن ابراہیم ملک کے لیے کتنا ضروری ہے۔ کس حد تک یہ بندہ چاہتا ہے تمہیں۔ تمہارا بچھڑنا میری جان لے لے گا مومن۔" مومن نے حیرانی سے ملک کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔

"آپ نے تو ہمیں ڈرا ہی دیا تھا بھائی۔" وہ اپنے رب کا شکر گزار تھا۔

"اس ہمیں میں کون کون شامل ہے تمہارے۔؟" ملک نے سخت لہجہ اپنایا۔

"وو۔ وہ۔" مومن گڑبڑا گیا تھا ایک بار پہلے بھی وہ ایسے ہی لاجواب ہوا تھا۔

"جواب دو مومن۔"

"انمول اور بسمہ۔" آنکھیں میچ کر کھولیں۔

"آہ مومن میں تمہیں کیا بولوں۔؟" وہ شدید ڈسٹرب ہوا تھا۔ وہ کتنا پریشان ہو رہی ہوں گی۔

www.novelsclubb.com

"دیکھیں بھائی وہ بیوی ہیں آپ کی ان کو خبر ہونی چاہیے۔اور میں کون سا انہیں ہسپتال لے آیا ہوں۔" مومن کو یاد آیا کیسے وہ پچھلی بار اس سے ناراض ہوا تھا۔

"میرا ڈر نہ ہوتا تو وہ بھی کر جاتے۔" ملک نے تنک کر کہا۔ مومن کچھ کہنے لگا۔

تبھی ایک ڈاکٹر ان کی جانب آیا اس کے ساتھ تین میل نرس بھی تھیں۔وہ شکل سے ہی کوئی بڑا ڈاکٹر معلوم ہو رہا تھا۔ مومن کے دماغ میں کچھ کلک ہوا۔اگر ملک ٹھیک تھا تو ہسپتال میں کون تھا۔؟

"پیشنٹ کی حالت بہت نازک ہے۔بلیڈنگ بہت زیادہ ہو چکی ہے۔آپ دعا کریں۔" وہ اپنی سناتے وہاں سے چلے گئے۔

"پیشنٹ کون؟"

"ندیم دارا۔" اور مومن ابراہیم کو لگا ہسپتال کی پوری چھت اس کے سر پر آن گری ہو۔اس نے منہ کھولے حیرت سے ملک کو دیکھا آیا جاننا چاہ رہا ہو کیا سچ

میں؟مومن کی نگاہوں کا مفہوم سمجھتے ملک نے ساری کتھا اس کے گوش گزار دی۔

ماضی:

"ہوش میں تو ہو تم۔ایک کا قتل کر آئے ہو دوسرے کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہے ہو۔چاہتے کیا ہو تم۔؟" قاسم ملک سامنے کھڑے اپنے پچیس سالہ بیٹے کو ڈانٹ رہے تھے۔جہانداد ملک سر جھکائے کھڑا تھا۔یہ اس کی زندگی کا پہلا قتل تھا۔یہیں سے شروعات ہوئی تھی۔

www.novelsclubb.com

"مجھے صوفیہ کی خاطر جن لوگوں کا قتل کرنا پڑا میں انہیں اپنے رستے سے ہٹانے میں دریغ نہیں کروں گا۔" وہ جنونی ہو رہا تھا۔

"صوفیہ نہیں صوفیہ ابراہیم۔اور تم کروگے قتل باپ کے نام کے سوا تمہارے پاس ہے ہی کیا۔؟آخر کون سی طاقت پر اتنا اترا رہے ہو۔" دردانہ بیگم اس کے روبرو آئی تھیں۔جہانداد ملک کی رگوں میں لفظ "طاقت "خون بن کر اترا تھا۔

اس کی انا پر کاری وار کیا گیا تھا۔وہ خاموش رہنے والوں میں سے نہیں تھا۔انہوں نے جہانداد ملک کو ہلکا لے لیا تھا وہ جانتے نہیں تھے کہ جہانداد ملک کی دشمنی کی قیمت ہر ایک فرد کو چکانی پڑے گی۔کیونکہ دشمنی میں ملک ہر حد سے گزر جایا کرتا تھا۔

---

www.novelsclubb.com

پاکستان پہنچ کر واجد سکندر نے سب سے پہلے صدف ملک سے نکاح کیا تھا۔اس کے نکاح میں گواہان کے طور پر معید سکندر اور اس کے کچھ دوست شامل تھے۔معید سکندر کی موجودگی میں نکاح ہوا تو وہ ان دونوں کو گھر لے کر آئے تھے۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم واجد۔ ہم نے تمہیں بیرون ملک پڑھنے کے لیے بھیجا تھا اور تم وہاں سے نکاح کر کے آ گئے۔؟" گل زرین سکندر ہتھے سے اکھڑ گئے تھے۔ ان کی اپنی اولاد انہیں دغا دے جائے گی۔ یہ قطعی نہیں سوچا تھا۔

"وہاں سے نہیں بابا جان میں نے پاکستان آ کر نکاح کیا ہے اور بھائی جان ہمارے نکاح کے گواہ ہیں۔" واجد سکندر کی بات پر صوفے پر آرام سے بیٹھا معید سکندر الرٹ ہوا تھا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں اپنے چھوٹے بھائی کی شکل دیکھ کر رہ گیا جو اپنے مقدمے میں اسے بھی گھسیٹ لایا تھا۔

"اللہ نے دو بیٹے دیے وہ بھی ایک سے بڑھ کر ایک۔" وہ وہاں سے یہ جا وہ جا ہوئے تو نائلہ جعفری کا قہقہہ چھوٹا۔ باقی سب بھی دھیرے سے ہنس دیے۔ ظاہر ہے واجد، گل زرین صاحب کی زوجہ کا لاڈلا بیٹا تھا تو ایسے کیسے اس کی بات نہیں مانی جانی تھی۔ خوشیاں ان کی منتظر تھیں۔

حدید قریشی کی موت کی خبر صوفیہ ابراہیم پر قہر بن کر ٹوٹی تھی۔اس کے پاس ماں باپ کے بعد ایک وہ رشتہ تھا جو اس کا اپنا تھا۔اب وہ کیا کرے کدھر جائے؟

جہانداد ملک کے ارادے اس کے ماں باپ کو ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔وہ لوگ اپنی جان کے لیے دوسرے ملک فرار ہو گئے۔ابراہیم داؤد کی ہمدردیاں صوفیہ ابراہیم کے گھاؤ پر مرحم خیزی کر رہی تھیں۔ابراہیم کی محبت اور توجہ نے صوفیہ ابراہیم کو سنبھال لیا تھا۔

جہانداد ملک کو اس کے والد نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتے اس قتل کے کیس سے بچنے کے لیے روپوش کروادیا تھا۔لیکن جانے سے پہلے وہ ایک بات کہہ گئے تھے کہ ان کی واپسی سب پر بھاری پڑے گی۔اور بات جب انا پر آجائے تو وہ نسلیں تباہ کر دیتی ہے۔

حال:

www.novelsclubb.com

دن ڈھل آیا تھا۔ سورج اپنی کرنوں سے ہر شے کو چمکا کر اب شبِ نیند سونے جا رہا تھا۔ ہر چرند پرند اپنے نشیمن کو پرواز کر رہے تھے۔ ایسے میں اس بھورے رنگ سے بنے گھر کے دروازے کے سامنے کھڑا وہ شخص دروازے پر لگی گھنٹی بجا رہا تھا۔ وہ کافی دیر سے وہاں کھڑا تھا جس کا احساس اس کی پیشانی پر ہلکے پسینے کے قطروں سے ہو رہا تھا۔ جولائی کا نصف چل رہا تھا ظاہر ہے پتنگوں کو بھی پر لگ جاتے ہیں اس گرمی میں۔

دروازے کے باہر کے منظر کو چھوڑ کر اگر اندر آؤ تو وہ اپنی کمرے سے نکل کر باہر کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ صوفیہ ابراہیم۔ ندیم دارا کل انہیں ان کے کمرے میں چھوڑ کر جا چکا تھا۔ وہ رات میں بھی گھر نہیں تھا اس بات کا پتا انہیں رات کے کھانے میں چلا۔ شاید اب وہ آ گیا تھا۔ وہ ساری رات بے چین رہی تھیں۔ ملک کی خاطر۔ ندیم نے اس کے ساتھ کیا کیا وہ نہیں جانتی تھیں۔

www.novelsclubb.com

"تم۔!" دروازے پر ملک تھا۔انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔وہ اسے بہت عرصے بعد دیکھ رہی تھیں۔ایک سال بعد نہیں دو سال بعد یا شاید تین سال بعد۔

"آپ کا بیٹا آپ کو لینے آیا ہے چلیں گی نہیں۔؟" وہ مدھم مسکراہٹ سے بولا۔ہاں صوفیہ ابراہیم اس کی سگی ماں سے بڑھ کر تھیں۔

"مم۔ماہیر میں آتی ہوں۔" وہ دوبارہ اندر غائب ہو گئیں۔واپسی پر ان کے شانوں پر ایک چادر تھی۔ جھریوں زدہ چہرہ پر سکون تھا۔ایسا سکوت بہت دنوں بعد ان کے چہرے پر آیا تھا۔

وہ دونوں اس گھر سے دور ہوتے گئے۔بھورے رنگ والا گھر اداس کھڑا رہ گیا۔

'صوفیہ ابراہیم نے بولا تھا ان کا بیٹا ان کو لینے ضرور آئے گا۔اور وہ آیا تھا۔'

ندیم دارا جو انہیں جہانداد ملک کی قید سے نکال کر لایا تھا۔ان کا بیٹا بن کر۔

ماہیر سکندر جو انہیں اس گھر سے لے کر جا رہا تھا۔ہاں وہ دونوں بھی ان کے بیٹے جیسے تھے۔

اور ان کا سگا بیٹا۔مومن ابراہیم۔؟

وہ خوش تھیں۔وہ شکر گزار تھیں۔دل پر سکون تھا اور چہرے پر طمانیت اور اطمینان چھلک رہا تھا۔

شاک کی کیفیت سے نکل کر اگلا مرحلہ دکھ کا تھا۔جان لیوا دکھ۔انسان کے دکھ کو زائل ہونے کا پروسیس ایک طویل عرصے پر محیط ہوتا ہے۔وہ آج آفس نہیں گیا تھا ۔اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے ہر شے اس کے ہاتھ سے پھسلتی جا رہی ہو۔اس کی سوچیں اس کا دماغ مفلوج کر رہی تھیں۔کیا واقعی وہ تصاویر سچ تھیں۔؟دل نے صدا لگائی۔ہاں اگرچہ اس شخص کا چہرہ واضح نہ تھا لیکن وہ تصاویر جیا ہی کی تھیں۔دماغ نے تصحیح بھی کر دی۔

کمرہ بے شک کشادہ تھا لیکن گھٹن تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔وہ صوفے پر سر پیچھے پھینکے بیٹھا سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا جب ملازمہ نے آکر معید سکندر اور ثانیہ بیگم کی واپسی کی اطلاع دی۔وہ دونوں واپس آ چکے تھے بالاج سگریٹ جھٹکتا اٹھ کھڑا ہوا۔مائوتھ فریشنر سپرے کر کے وہ نیچے کی طرف بڑھ گیا۔

"السلام علیکم" بالاج نے ان کے قریب کھڑے ہوتے سلام کیا۔وہ دونوں صوفے پر بیٹھے تھے۔

"واعلیکم السلام۔" وہ مسکرا کر بولے۔

"سفر کیسا رہا آپ دونوں کا۔کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟"

"ہمارا سفر تو ٹھیک تھا بر خوددار تم بتاؤ۔یہ آنکھوں میں سرخی اور ان کے نیچے حلقے کیوں آ گئے ہیں؟" معید سکندر اس کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے۔وہ نظریں چرا گیا۔

"میں ٹھیک ہوں" وہ سرد مہری سے بولا۔

"جیا کہاں ہے بالاج اسے بلاؤ۔ نائلہ نے اس کے لیے تحائف بھیجوائے ہیں ۔" اب کی بار ثانیہ بیگم بولی تھیں۔ بالاج کا دل بے قابو ہوا اگر جوان دونوں کو معلوم ہوا کہ جیا گھر پر نہیں ہے تو وہ کیا توجیہہ پیش کرے گا؟

"کچھ پوچھ رہی ہے تمہاری ماں جواب دو اسے۔" معید سکندر اس کے روبرو آ کھڑے ہوئے۔ ان کا بیٹا ان سے قد میں تین انچ لمبا تھا۔ ان سے بالاج کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی ایسی ہی حالت اس کی پانچ سال پہلے بھی ہوئی تھی۔ مگر تب حالات اور معاملات مختلف تھے۔

www.novelsclubb.com

"گھر پر نہیں ہے وہ۔" وہ سر جھکا گیا تھا۔ ہمت نہیں تھی ان کو دیکھنے کی۔ ہمت لاتا بھی کہاں سے جیا کے بارے میں سوچنا بھی محال ہو رہا تھا۔ وہ اتنے سال اس کے پاس رہی تھی۔ بالاج نے اسے ہر سرد گرم سے بچایا تھا تو وہ کب اور کیسے بہک گئی؟

"کہاں ہے وہ۔؟ بالاج سکندر میں نے پوچھا تمہاری بیوی کہاں ہے؟"معید سکندر جیسے ضبط کیے کھڑے تھے۔

"وہ اپنے گھر جا چکی ہے وہیں جہاں اسے ہونا چاہیے تھا۔اب وجہ بھی اسی سے جا کر "۔

"چٹاخ۔"معید سکندر کا ہاتھ اٹھا اور بالاج کے سرخ و سپید چہرے پر اپنی چھاپ چھوڑتا چلا گیا۔ثانیہ بیگم دہل کر اٹھی تھیں۔آخر کو بالاج ان کا لختِ جگر تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے ہمیں معلوم نہیں وہ اس گھر سے خود گئی ہے یا نکالا گیا ہے اسے۔اب تم اپنے ماں باپ سے جھوٹ بولو گے۔"معید سکندر نے اپنے نحیف ہاتھوں سے اسے گریبان سے پکڑا۔

"جواب دو ہمیں بالاج ایسی کون سی قیامت آگئی تھی جو تم نے میری بیٹی کو گھر سے نکال دیا۔"ثانیہ بیگم باقاعدہ رونے لگے تھی۔وہ اس سب سے لاعلم نہیں تھے پتہ تو

انہی تب ہی چل گیا تھا جب جیا سکندر نے اپنا قدم گھر سے باہر نکالا تھا۔ دروازے پر معمور گارڈ نے انہیں فوری اطلاع دی تھی لیکن اندر کی وجہ سے وہ لاعلم تھے۔

"تم اپنے سٹینڈرڈ سے کتنا گر گئے ہو بالاج سکندر۔ تم سے بڑا بے غیرت انسان میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ میں پوچھتا ہوں آخر کیا وجہ تھی جو تم نے اتنا گھٹیا کارنامہ سرانجام دیا۔ اپنی ہی عزت کو ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر نکالتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آئی؟" لیکن وہ کچھ نہیں بولا۔

"بالاج تم جیا کو واپس لاؤ گے ورنہ مجھے اپنی ماں مت کہنا۔" ثانیہ بیگم اسے وارن کر رہی تھیں۔

www.novelsclubb.com

"وہ خود اس گھر سے گئی ہے واپس بھی خود ہی آئے گی" اس کی آواز نم تھی۔ وہ دونوں تڑپ اٹھے لیکن یہ وقت سختی دکھانے کا تھا۔ بالاج سکندر بوجھل قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ وہ دونوں اس کی پشت تکتے رہ گئے۔ آخر ایسی کیا وجہ تھی کہ ان کا بیٹا اس قدر ٹوٹ رہا تھا۔

میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں۔تو بالاج کیونکر انہیں بتاتا کہ جیا سکندر اس گھر سے کیوں گئی تھی۔وہ خود کو تنہا تصور کر رہا تھا۔بیوی سے بڑھ کر کوئی دوست وفادار نہیں ہو سکتا لیکن اسے تو اس نے بھی دھوکہ دے دیا تھا۔وہ یہ کیوں بھول رہا تھا کہ وہ عاشق تھا۔بے وفائی کا دکھ تو ہر عاشق جھیلتا ہے۔ہر محبت کرنے والا گلے شکوے کرتا ہے مگر وہ ایک شوہر بھی تھا۔وہ ایک روایتی مرد تھا ایسا مرد جو ہر معاشرے میں پایا جاتا ہے۔ایسے مرد کی بیوی ہونا عورت کے لیے اعزاز ہے کیونکہ وہ مرد اگر محبت کرنے پر آئے تو اس سے بڑھ کر عورت کا مضبوط سائبان کوئی نہیں ہوتا۔بالاج سکندر نے بے شک جیا سکندر کو چاہا تھا لیکن وہ وعدہ خلافی کر گیا تھا۔کوئی شک نہیں تھا کہ پچھتاوا اس کا مقدر بن جاتا۔

"پچھتاوا مائی فٹ۔میں بالاج سکندر ہوں ایک دھوکے باز لڑکی کی خاطر خود کو تباہ نہیں کروں گا۔" وہ سنک پر جھکا چہرے پر پانی کے چھینٹے مار رہا تھا۔

وہ ایک ملازم کے ہمراہ اس عالیشان بنگلے میں داخل ہوا تھا۔ بنگلہ اس کے مالک کی امارت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ ہر جانب چمکتے دھمکتے فرنیچر کی جگہ پُر تھی۔ وہاں ایک سوئی تک کی قیمت بھی ڈالرز میں ہونا تھی۔ اس نے گمان کیا۔

"آپ یہاں تشریف رکھیں۔ سر کچھ ہی دیر میں آتے ہوں گے۔" ملازم اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر یہ جا وہ جا ہوا۔ وہ اس وقت سیاہ لباس میں ملبوس تھا۔ سیاہ شرٹ کے اوپر سیاہ ہی رنگ کی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ وہ کچھ دیر ارد گرد نگاہ دوڑاتا رہا۔ جب اسے یقین ہو چلا کہ اب کوئی ملازم اس طرف نہیں آئے گا تو وہ باہر نکلا۔ سامنے ہی بڑا سا دالان تھا۔ آہ یہ حرام کا پیسہ۔ وہ دبے قدموں اوپر سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔ سیڑھیوں پر اوپر تک سرخ قالین بچھا ہوا تھا۔ بلآخر وہ سیڑھیاں چڑھتا دائیں جانب موجود راہداری میں سے ایک کمرے میں گم ہو گیا۔

اس کا شکار اس کے سامنے تھا اور وہ چیل کی طرح اس پر جھپٹنے کو تیار۔ اس نے مڑ کر دروازہ دھیرے سے لاک کیا۔

www.novelsclubb.com

"میرا کوٹ لاؤ ادھر۔" کرخت آواز میں سامنے موجود ہستی نے حکم جاری کیا۔اس نے آئی بروا چکا کر اسے دیکھا۔یقیناً وہ سمجھ رہا تھا کہ کوئی ملازم ان کے کمرے میں داخل ہوا ہے۔وہ ٹائی کی گرہ کستا آئینے میں نمودار ہوتا اپنا عکس دیکھ رہا تھا۔کوئی کوٹ لے کر ان کے قریب آیا۔انہوں نے اپنے دونوں بازو پیچھے کی جانب بڑھائے جب کسی نے انہیں اپنی مضبوط گرفت میں لیا۔

"آہ۔کون ہو۔۔" ان کی چیخ مقابل نے اپنی ہتھیلی کی مدد سے منہ میں ہی دبائی تھی۔

"موت کا پروانہ۔" فقط تین حروف اور شارق کبیر کا سانس جیسے سینے میں اٹکنے لگا۔

"اووں۔اووں۔" وہ ہاتھ چھڑوانے کی تگ ودو کر رہے تھے۔مقابل نے جھٹکا دے کر ان کا رخ موڑا۔وہ ایک بار پھر سے کراہے۔

"بدبختو کہاں مر گئے ہو سب۔؟" وہ دوبارہ چیخنے لگے تھے اونچی آواز نے ان کے سامنے کھڑے لڑکے نے تکان سے انہیں دیکھا۔وہ اپنے ملازمین کو بلا رہے تھے

جنہیں انہوں نے اپنی حفاظت کے لیے رکھا ہوا تھا لیکن اس وقت ان کے پاس کوئی نہ تھا۔

"چیختے بہت ہو تم۔ منہ بند کرو اپنا ورنہ سارا احرام کا پیسہ ٹھونس کر بند کروا دوں گا۔" وہ بے زاری سے گویا ہوا۔ شارق کبیر خاموش ہو گئے۔ وہ اس وقت اپنی ایک پائی بھی گنوانے کے حق میں نہیں تھے۔

"کون ہو تم اور تمہیں یہاں گھسنے کس نے دیا۔؟" وہ آہستہ آواز میں بولے تھے۔

"میرا نام مومن ابراہیم ہے۔ یہ نام میرے باپ نے رکھا تھا۔ مومن۔ وہ جو ظالموں پر بھاری ہے۔ اور مجھے یہاں یہ لے کر آیا ہے۔" اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ایک کارڈ ان کی آنکھوں کے سامنے پیش کیا۔ وہ دراصل وزیٹنگ کارڈ تھا جس کا استعمال اپائنٹمنٹ کے طور پر کیا جاتا تھا۔

"اور تمہیں کس نے خبر دی کہ میں آج صبح گھر پر ہوں۔؟" وہ نیوز کاسٹنگ کر رہے تھے جیسے۔ مومن ابراہیم کا پارا ہائی ہوتا جا رہا تھا۔ بیٹی کم تھی جواب باپ بھی۔ ہنہ۔

"رات تم کلب میں نہیں پائے گئے۔ چچ چچ تمہاری بیٹی تمہیں کنگال کر گئی مسٹر کبیر۔ عیاشیوں کے لیے پیسے کی قال پڑ گئی ہو گی ناں اس لیے فضول میں بہانے کی بجائے ٹک کر گھر میں بیٹھے ہوئے ہو۔" مومن نے تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے کمرے میں موجود بڑے سے صوفے پر بٹھایا۔

"اب بتاؤ یہاں کیوں آئے ہو۔؟" ان کے انداز میں شان تھی۔ وہ صوفے پر بیٹھتے ہی اکڑ گئے تھے۔ مومن اور شارق کبیر کے درمیان فقط ایک میز تھی شیشے کی چمکتی ہوئی میز۔

www.novelsclubb.com

"بتاتا ہوں۔ نمبر ایک کہ تم نے ملک کے ساتھ غداری کی۔ اور غداری کی سزا موت ہے۔" مومن نے جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک گن نکال کر ٹیبل پر رکھی۔ شارق کبیر کی سٹی گم ہوئی۔

"دوسرا۔ تم نے بسمہ پر حملہ کروا کر اس کی جان لینے کی کوشش کی نتیجتاً ایک عزیز زخمی ہوا۔" اس نے ایک چاقو نکال کر سامنے پڑی میز پر دھرا۔ شارق کبیر کے اب صحیح معنوں میں ہوش اڑے تھے۔

"تیسرا اور سب سے بڑا کارنامہ تم نے ملک پر حملہ کروا کر کیا ہے۔ نتیجتاً ہمارے دوست کو گولی لگی۔" مومن نے ایک چابک نکال کر ان دونوں چیزوں کے ساتھ رکھا۔ شارق صاحب کا گلا خشک ہو گیا۔

"پپ۔ پانی۔ پانی۔" اُنہوں نے سائیڈ ٹیبل کی جانب اشارہ کیا۔ مومن نے ایک آنکھ سے پانی کو دیکھا اور دوسری انہیں پر گاڑھے رکھی۔

"اوہ۔تو تمہیں لگتا ہے میں اتنا بیوقوف ہوں۔ادھر میں پانی پکڑوں اور ادھر تم مجھ پر حملہ کر دو چچ۔چچ۔"مومن نے نفی میں سر ہلایا۔

"تم سب کر سکتے تھے لیکن بسمہ اور ملک کی جان لینے کی کوشش کا حق تمہیں حاصل نہیں تھا۔"مومن نے اب کی بار اپنے ہاتھ کا مکا بنا کر اس پر پھونک ماری۔ کھڑکی سے آتی صبح کی روشنی میں کوئی سلور رنگ کی شے چمکی تھی۔فسٹ رنگز۔ دائیں ہاتھ کی تین انگلیوں میں وہ فسٹ رنگز پہنے ہوئے تھا۔

"اب بتاؤ تمہارا ٹیسٹ کیسا ہے۔؟"وہ اس پر جھکا۔شارق کبیر بے ساختہ صوفے میں دھنس گئے۔انہیں اپنے سے چھوٹے لڑکے سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔وہ ان سے سامنے پڑی چیزوں کے متعلق ان کا ٹیسٹ پوچھ رہا تھا۔

"تم (گالی) بچو گے نہیں میرے ہاتھوں سے۔آہ!"مومن نے ایک زوردار پنچ ان کے چہرے پر دیا۔ناک سے نکسیر پھوٹی اور وہ ایک جانب لڑھک گئے۔مومن نے آنکھیں میچ کر کھولیں۔اسے مارنے کا حکم تو تھا لیکن جان سے مارنے کا نہیں۔

"ہیئے۔اٹھو۔"اس نے پانی کا بھرا جگہ ان پر انڈیلا۔وہ بوکھلا کر ادھر ادھر تکنے لگے۔

"دد۔دیکھ لوں گا میں تمہیں اور تمہارے اس ملک کو بھی۔"مومن نے استہزایہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"پہلے آئینے میں اپنی شکل تو دیکھ لو۔ہاہا"

"تم۔۔"وہ کچھ بولنے لگا جب مومن نے شش کہتے اسے خاموش کروایا۔

"آئندہ اگر تم نے ایسی واہیات حرکت کی تو تم میرا شیطانی روپ دیکھو گے۔آج کے بعد بسمہ یا ملک اور ہمارے کسی بھی فرد کے قریب بھی بھٹکے تو مومن ابراہیم تمہاری روح تک چھلنی کر دے گا۔"اس نے شارق کبیر کے جبڑے اپنی مٹھی میں لیے۔اوپر ناک سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔

"بسمہ بسمہ۔آخر رشتہ کیا ہے تمہارا اس کے ساتھ۔میری بیٹی کا نام لیتے ہوئے تمہارے اندر کا مومن نہیں جاگ رہا۔"مومن ابراہیم کی آنکھیں ابل باہر آئیں۔وہ ان دونوں کو کس نظر سے دیکھ رہے تھے۔لاحولا ولا قوۃ۔

"اے۔مسٹر کبیر ہر دوسرے بندے کو اپنے جیسا سمجھ لیا ہے کیا۔؟"

"سمجھا نہیں ہے لیکن ہر مرد ایک جیسا ہوتا ہے۔ہو سکتا ہے کہ تم بھی میری بیٹی میں۔۔۔"مومن نے ان کے منہ پر اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کی۔

"بسمہ شارق مجھے عزیز ہے اس لیے نہیں کہ میں اس میں انٹرسٹڈ ہوں بلکہ اس لیے کہ وہ ایک لڑکی ہے۔اور کسی کی بہن بیٹی ماں کی عزت مومن ابراہیم کو سب سے زیادہ عزیز ہے۔اس میں عزتِ نفس باقی ہے۔بسمہ شارق عظیم ہے اس لیے کہ وہ تم جیسے شخص سے نفرت کرتی ہے۔وہ تمہاری شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی۔"مومن کہہ کر خاموش ہوا۔شارق کبیر کا چہرہ اہانت کے مارے سرخ پڑ گیا لیکن وہ ڈھیٹ تھے۔ایک ڈھیٹ بیٹی کے باپ تھے۔

"چلو ایک ڈیل کر لیتے ہیں۔؟"

"کیا۔؟" مومن نے پوچھا۔اب وہ کیا نیا شوشہ چھوڑنے والے تھے۔

"تم بسمہ شارق رکھ لو اور مجھے میری دولت لٹا دو۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ مومن ابراہیم کہ میری بیٹی مجھے کنگال کر کے میری دولت ہتھیا کر لے گئی تھی۔ تم وہ پراپرٹی مجھے واپس لا دو تو میں بسمہ کی جان چھوڑ دوں گا۔ ورنہ ہو سکتا ہے کسی دن وہ تمہیں اس زمین پر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے۔" ان کا انداز کاروباری تھا۔ جیسے کوئی سوداگر بولی لگاتا ہے۔

"یو باسٹرڈ۔" مومن نے ایک مزید مکا ان کے بائیں گال پر جڑا۔اب کی بار منہ سے خون نکلا تھا۔

www.novelsclubb.com

"تم جیسا گھٹیا باپ میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا جو دولت کی خاطر اپنی سگی اولاد کا سودا کرنے لگے۔اس دولت اس زمین کے دو ٹکڑوں کے پیچھے ہو تم۔لالچی کمینے۔ تمہیں جتنی دولت چاہیے ناں وہ تمہارے منہ پر ماردوں میں کیونکہ دولت جان نہیں خرید سکتی۔" وہ پھنکارتا ہوا باہر نکلنے لگا جب پیچھے سے شارق کبیر کی آواز ابھری۔

"وہ میری بیٹی ہے۔شارق کبیر کی بیٹی۔ایک گناہگار زانی کی بیٹی۔کرپٹ انسان کا خون ہے وہ۔اسے مجھ سے لاکھ نفرت سہی۔وہ مجھے اپنے ہاتھوں سے قتل کرنے کی خواہش ہی کیوں ناں رکھتی ہو۔لیکن وہ ایک بیٹی ہے اور ایک بیٹی کیا کر سکتی تم سوچ بھی نہیں سکتے مومن ابراہیم۔" وہ تن بدن میں آگ لیے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔پھر وہ رکا نہیں دو دو سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگتا وہ دالان عبور کرتا باہر نکل گیا۔پیچھے شارق کبیر اسے بکتے جھکتے اپنی دردوں پر مرہم رکھ رہے تھے۔

ماضی:

بیٹے کی لاوبالی طبیعت میں سدھار آتے دیکھ کر گل زرین سکندر نے صدف اور اس کے رشتے کو دل سے قبول کر لیا تھا۔وہ باپ تھے اپنی اولاد سے کب تک ناراض رہتے۔؟

ان دونوں بھائیوں کی شادی اکٹھی ہوئی تھی۔معید سکندر اور ثانیہ کی رخصتی کے ساتھ ساتھ واجد اور صدف واجد سکندر کا ولیمہ۔وہ خوش تھے بلآخر انہیں اپنے صبر کا پھل مل چکا تھا۔محبت وقت مانگتی ہے اور گزرتے ہر لمحے کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے۔ان کی زندگی ایک خوبصورت ڈگر پر چل نکلی تھی۔جہاں ہر طرف بہار اور ہر سو خوشیوں کا بسیرا تھا۔

جہانداد ملک کی واپسی دو سالوں بعد ہو چکی تھی۔ماں کی دہائیوں اور باپ کی دھمکیوں کے آگے وہ سر جھکا گیا اور یوں اس کی شادی اپنی دور پرے کی رشتہ دار

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ساحرہ سے ہوئی تھی۔اس وقت اس کی عمر ستائیس برس تھی۔اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے نوازا تھا۔وہ ابھی تک لندن میں ہی رہائش پذیر تھا۔بدلہ لینے کا جنون آج بھی اس کے دل ودماغ میں زندہ تھا۔اس کے دشمن اس سے دور تھے۔اسے معلوم ہوا تھا کہ کسی بھی کام کو کرنے میں طاقت درکار ہوتی ہے اور۔ پیسہ وقت کی ضرورت ہوتا ہے۔اس سے بڑی طاقت اس دنیا میں کوئی نہیں۔اس کی اولین ترجیح اپنی طاقت کو بڑھانا تھا جس کے لیے اس کا شمار بڑی سے بڑی غیر اخلاقی سرگرمیوں میں ہونے لگا۔وہ اس دلدل میں دھنستا چلا گیا۔ساحرہ ملک سے اس کو کبھی دلی محبت نہیں ہو سکی تھی۔والدین کی زندگی میں وہ اپنا بدلہ پورا نہیں کر سکتا تھا۔لیکن ایک بات طہ تھی اس کو برباد کرنے والوں نے کتے کی موت مرنا تھا۔

"تمہیں اللہ کا واسطہ ہے دادا اس معصوم کو اتنی بڑی سزا مت دو۔" ساحرہ ملک چیخ رہی تھیں۔

"تمہیں میرے معاملات میں دخل اندازی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں جو ایک بار ٹھان لوں وہ کر کے دکھاتا ہوں۔" اس وقت اس کی عمر تیس سال تھی۔

"دادا وہ کسی کی بیوی ہے، کسی کے بچے کی ماں ہے اس کو برباد مت کرو خدا کا قہر نازل ہو گا تم پر۔" آنسو ان کے گالوں کو بھگو رہے تھے لیکن وہ اس وقت اس جلاد صفت انسان سے کسی کی بخشش مانگ رہی تھی۔

"چٹاخ۔" متوقع تھپڑ سے وہ لڑکھڑائی تھیں جہانداد ملک نے انہیں بالوں سے جھپٹا۔

www.novelsclubb.com

"گھٹیا عورت خود کیا ہو تم۔ میرے معاملات میں بولنے کی اوقات نہیں ہے تمہاری۔۔" وہ دھاڑے اور تن فن کرتے کمرے سے نکل گئے۔

"مم۔بب۔۔" دروازے کے پیچھے چھپی دو اڑھائی سالہ انمول نے آواز لگائی۔ غزالی آنکھوں میں خوف کے ڈورے ہلکورے لے رہے تھے۔

"انمول میری جان۔" ساحرہ ملک نے اسے اپنے سامنے کیا وہ ڈر کے مارے کانپ رہی تھی کیونکہ وہ آج کی انمول سے مختلف تھی۔

"مم۔ با۔ بابلے اے۔ بابا۔" (ماما بابا برے ہیں بابا) وہ اپنی طوطلی زبان میں اپنی سمجھ کے مطابق بول رہی تھی۔

جو شخص اس کی ماں کو اذیت پہنچانے کا سبب بن رہا تھا وہ انمول ملک کی نظر میں برا تھا۔ ساحرہ ملک انمول کی پیٹھ تھپکتی کچھ دیر پہلے جہانداد ملک کی باتوں کو سوچ رہی تھیں۔ وہ فون پر کسی سے بات کر رہے تھے ان کی باتوں میں صوفیہ ابراہیم کا نام واضح تھا۔ وہ اس بات سے انجان نہیں رہ پائی تھیں کہ صوفیہ ابراہیم کے لیے طلوع ہونے والا سورج بری نوید لے کر آنے والا تھا۔

واجد سکندر کی پہلی اولاد ماہیر سکندر کی صورت اس دنیا میں آئی تھی۔ وہ ہیزل گرین آنکھوں والا شہزادہ سب کا لاڈلا تھا۔ وہ نفرت سے دور پیار کیے جانے کے

قابل تھا۔اس کی پیدائش کے ایک سال بعد معید سکندر کے ہاں اللہ کی نعمت آئی تھی۔ بالاج سکندر سنہری آنکھوں والا مغرور شہزادہ۔ سکندر حویلی کے مکینوں کو تمام خوشیاں نصیب تھیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ماہیر اور بالاج کی دوستی مثالی بنتی جارہی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بنا لقمہ تک نہیں نگلتے تھے۔ وہ دوست نہیں تھے بلکہ ایک جان ایک روح تھے۔

ایک شام جب سورج مغرب کی جانب روانہ ہوا تو اس پوش ایریا میں کھڑی سکندر حویلی کے قریب واقع پارک میں کسی کی چیخ بلند ہوئی۔

"آآآ۔" وہ حلق پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ تبھی ایک جانب کھڑے اس آٹھ سال کے بچے نے اپنا بلا زمین پر پھینکا۔ وہ ہوا میں بلند ہو کر دوبارہ زمین بوس ہو گیا۔ وہ تیر کی تیزی سے روتے بلکتے بچے کے قریب آیا تھا۔ جس کے گرد چودہ پندرہ سالہ لڑکے جمگھٹا بنائے کھڑے تھے۔

"اے ے۔ میرے بھائی سے دور ہو جاؤ۔" اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ پیش کی۔

"نہیں تو کیا کرلے گا تو چھوٹو۔" وہ لڑکے قہقہہ لگا کر ہنسے۔ لڑکے نے جھک کر مٹھی میں مٹی بھری۔ اس مٹی میں کنکر بھرے ہوئے تھے۔ اور پھر اس نے وہ مٹی ان سب کی آنکھوں میں پھینکی۔ اب کی بار اس پارک میں مختلف چیخیں بلند ہوئی تھیں۔ سبز آنکھوں والا بہادر بچہ دوسرے بچے کو لے کر بھاگا۔ اور پھر اس نے پارک کے گیٹ پر آکر دم لیا۔ سنہری آنکھوں میں آنسو لیے بالاج سکندر ماہیر سکندر سے لپٹ گیا۔

"اگر تم نہ آتے تو وہ گندے بچے مجھے مار دیتے۔"

"میرے ہوتے ہوئے کوئی میرے بھائی کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔" اس نے بالاج کی پیٹھ تھپک کر خود سے دور کیا۔ وہ اب بھی سرخ ہوتی آنکھوں میں آنسو جمع کیے کھڑا تھا۔

"ارے روؤ مت۔ تم مرد ہو اور مرد کبھی روتے نہیں ہیں۔ تم ہر مشکل وقت میں مجھے آواز دو گے۔ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ کھڑا ہوں گا۔" ماہیر سکندر اور وہ

دونوں اب اپنے گھر کی جانب بڑھ رہے تھے۔یہ پارک ان کا پسندیدہ تھا۔جب بھی کوئی ایک دوسرے سے ناراض ہوتا تو وہ یہیں تھا۔انہیں معلوم تھا دوسرا وہاں ضرور آئے گا۔

حال:

جولائی کی گرمی اور اوپر سے چولہے کے باعث کچن میں بن جانے والی حبس-اس نے کبھی اپنی حویلی میں رہ کر کاموں کو ہاتھ نہیں لگایا تھا اور اب یہاں چولہے پر چائے کی کیتلی چڑھائے بیٹھی تھی۔ملک کی اطلاع اسے صبح مومن کے ہاتھ ملی تھی کہ وہ ٹھیک ہے۔انمول کا دل ابھی تک ڈر سے لرز رہا تھا لیکن وہ بے حس بنی چائے میں الائچی ڈال رہی تھی۔

اس کے عقب میں بنے لیونگ روم میں جھانکو تو وہاں تمہیں دو نفوس بیٹھے نظر آئیں گے۔نارنجی اور سفید رنگ کے امتزاج میں ملبوس بسمہ شارق اور ایک سفید

پرنٹڈ سوٹ میں ملبوس صوفیہ ابراہیم۔بسمہ شارق کا حلیہ عام دنوں سے مختلف تھا ۔آج اس نے انمول کی طرح پیروں کو چھوتی شرٹ پر ٹراؤزر زیب تن کیا تھا۔وہ دوپٹہ شانوں پر پھیلائے ہوئے تھی جبکہ ٹریننگ سینٹر میں رہتے ہوئے اسے سرگرمیوں کے لحاظ سے آرام دہ کپڑے پہننے کو ملتے تھے۔بہر حال وہ شکر مند تھی کہ اس کی ٹریننگ درمیان میں روک دی گئی۔لیکن آخر کب تک۔

اس کے برعکس صوفیہ ابراہیم اس کے دائیں طرف بیٹھی میٹھی میٹھی نظروں سے اس سرمئی آنکھوں والی لڑکی کو دیکھ رہی تھیں انہیں تو جیسے بسمہ شارق کی شکل میں بیٹی مل گئی تھی۔

www.novelsclubb.com

"تمہاری امی کہاں ہوتی ہیں؟"وہ اس سے مخاطب ہوئیں۔وہ تینوں کافی دیر سے بیٹھی باتیں کر رہی تھیں جب انمول چائے بنانے کا کہتی وہاں سے اٹھ گئی۔اب وہ دونوں وہاں موجود تھیں۔

"وہ اس دنیا میں نہیں ہیں آپ نے کیوں پوچھا۔؟"

"تمہاری ماں بہت عظیم عورت ہو گی جس نے تمہاری ایسی تربیت کی۔" بسمہ کے چہرے کا رنگ فق ہوا۔

"کیا میں نے کچھ غلط کہ۔۔" صوفیہ معافی مانگنے لگی تھیں۔

"اپنی تربیت میں نے خود کی ہے آنٹی۔ میری ماں مجھے پیدا کرتے ہی اس دنیا میں تنہا چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔" وہ ہاتھوں کی انگلیاں مسل رہی تھی۔ اس کی آواز کچن میں کھڑی انمول تک بھی پہنچی تھی۔ کپوں میں چائے ڈالتے اس کے ہاتھ کانپ اٹھے۔

"انمول یہ دیکھو تمہاری ماما کو کیا ہو گیا۔" اس کے ذہن میں جہانداد ملک کا کہا جملہ گونجا۔

www.novelsclubb.com

"میری ماں کے خون کا بدلہ آپ کو چکانا ہو گا بابا" وہ دل میں پھنکاری۔ آنکھوں میں نفرت واضح تھی۔ ہاں وہ جانتی تھی کہ اس کی ماں کا قاتل اس کا اپنا ہی سگا باپ ہے۔ وہ خاموش تھی کیونکہ وہ انمول ملک تھی۔ اپنے رب اور باپ کے سوا کسی تیسرے سے نہ ڈرنے والی۔ خشیت الٰہی اس کے دل میں تھا۔ اور باپ کا ڈر فطری

نہیں تھا۔وہ اپنے باپ سے ڈرتی تھی۔وہ قتل کیے جانے سے ڈرتی تھی۔وہ ڈرتی تھی کہ جہانداد ملک کسی دن اسے بھی اس کی ماں کی طرح زینوں سے دھکا دے کر مار دیں گے اور یقیناً یہ ان کے لیے مشکل نہ ہو گا۔

"ایسا نہیں کہتے اس سب میں میرے رب کی مرضی تھی۔تمہاری ماں اس دنیا میں نہیں تو کیا ہوا آج سے تم میری بیٹی ہو۔"

"اور وہ۔آپ کا ہلا کو خان۔کیا وہ بانٹ لے گا آپ کے پیار کو مجھ سے۔"وہ ہنسی۔اس کی مسکراہٹ پیاری تھی۔

"میرا ہلا کو خان۔"وہ ماں تھیں۔آنکھیں گرم سیال سے نم ہوئیں ان آنکھوں کی ٹھنڈک اب مومن ابراہیم کا دیدار تھا۔

دروازے پر بیل بجی بسمہ شارق اٹھ کر باہر کی جانب بڑھی۔انمول چائے ٹرے میں رکھے لا رہی تھی۔اس نے دروازہ کھولا سامنے ہی بلیک سوٹ میں ملبوس مومن ابراہیم کھڑا تھا۔اس نے بسمہ کو دیکھا۔وہ نارنجی سوٹ میں سورج کی پھوٹتی کرن لگ رہی تھی۔اس پر مشرقی لباس جچ رہا تھا۔

"السلام علیکم!"مومن غش کھاتے کھاتے گرا۔سلام کی امید اسے اس لڑکی سے نہ تھی۔

"واعلیکم السلام۔"وہ آہستہ آواز میں بولا۔ذہن میں ابھی تک شارق کبیر کی باتیں گونج رہی تھیں۔بسمہ نے اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔نگاہیں اس کے چہرے پر جمائے رکھیں۔وہ منہ میں کچھ گنگناتے ہوئے راہداری میں آگے بڑھا۔وہاں سے لیونگ روم میں بیٹھے افراد نظر نہیں آتے تھے۔راہداری عبور کی اور وہ ایک دم ٹھہر گیا۔ساری دنیا ساکت ہوئی تھی۔ہر نفس نے دم سادھ لیا۔

یہ ملن تھا۔ مومن ابراھیم اور اس کی بد قسمت ماں کی پہلی ملاقات۔ وہ اپنی جگہ سے ایک انچ نہ ہل پایا۔ صوفیہ ابراہیم۔ اس کے باپ ابراہیم داؤد کی بیوہ۔ مومن نے انہیں تصویروں میں دیکھا تھا۔ لیکن وہ شبابی سے اسلافی تک کا سفر تہہ کر چکی تھیں ۔ چہرہ آج بھی ویسا تھا بس جھریاں اپنا جال بچھائے بیٹھی تھیں۔ بال دوپٹے کے ہالے سے جڑوں کی سفیدی دکھلا رہے تھے۔ وہ انہیں کبھی پہچان نہیں پاتا لیکن ان کی گہری بھوری آنکھیں۔ آہ۔ اس کا دل سیپارہ ہوا۔ ٹکڑوں میں بٹا ہوا دل۔ اور ریزہ ریزہ ہوتا وہ شخص مومن تھا۔

"مومن میرے بیٹے۔" صوفیہ کی آواز حلق میں اترتے آنسوؤں نے بند کی۔ مومن کا دل ان کی آواز سننے کو تڑپنے لگا۔

"ما۔ما۔ں" اس کے لب وا ہو گئے۔ آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر ہلکی ہلکی بیئرڈ میں جذب ہوا تھا۔ صوفیہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو چکی تھیں۔ بسمہ اور انمول کی نظریں ان ماں بیٹا پر تھیں۔ مومن ابراہیم کا دل دھڑکنا بھول چکا تھا۔ کتنا بد قسمت تھا وہ جس

www.novelsclubb.com

لے بچپن سے ماں کا لمس محسوس نہیں کیا تھا وہ انہیں دو قدم کی دوری پر دیکھتے ہوئے بھی دیری کر رہا تھا۔ لعنت ہو مومن تم پر!

"ماں!" وہ آگے بڑھا اور ماں کی پیشانی چوم لی۔ جس لمس کو وہ آج تک اپنی پیشانی پر محسوس نہیں کر پایا تھا وہ لمس جو ماں اپنے بچے کو بخشتی ہے وہ اتنا بڑا ہو گیا تھا کہ اپنی ماں کی پیشانی چومے انہیں اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھا۔

"آپ کہاں تھی ماں؟ آپ اپنے بیٹے کے ساتھ نہیں تھیں۔ آپ کو مجھ سے جدا کرنے کا حق کسی کو نہیں تھا۔ ایک ماں سے اس کی اولاد چھیننے کا حق کسی کو نہیں ہوتا۔ مومن ابراہیم سے بڑا بدقسمت اس دنیا میں کوئی نہیں۔" وہ رو رہا تھا۔ اور بسمہ شارق پہلی بار اسے روتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کا رندھا ہوا لہجہ سب کی آنکھیں نم کر گیا۔ اس کے جملے بے ربط تھے۔ صوفیہ ابراہیم کی ہچکی بندھ گئی۔

"میرے بیٹے۔ میری جان میرا مومن۔ ماں صدقے۔" صوفیہ ابراہیم نے اسے اپنے سامنے کھڑا کرتے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں تھاما۔

"میں نے آپ کو بہت مس کیا ہے ماما۔ میں نے آج تک آپ کے لمس کو محسوس نہیں کیا۔" وہ کسی بچے کی طرح شکوے کر رہا تھا۔ صوفیہ ابراہیم نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور مومن ابراہیم کو لگا جیسے پوری دنیا کے گلے شکوے مٹ گئے ہوں۔ ہر شے بارش کے بعد کے موسم کی طرح دھل گئی ہو۔ یقین کرنا مشکل تھا کہ جس ہستی کا انتظار اس نے تیئیس سال کیا تھا وہ اس کے سامنے کھڑی تھیں۔

"آئیں اندر چلتے ہیں مجھے آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔" وہ انہیں اپنے مضبوط بازوؤں کے حلقے میں لیے اپنے سابقہ کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

بسمہ اور انمول کا بھی سکتہ ٹوٹا تھا۔

www.novelsclubb.com

"ہر شخص کی کہانی ایک سی کیوں ہوتی ہے۔" بسمہ صوفے پر بیٹھی۔ اگلے ہی پل چہرہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔ وہ رونے لگی تھی لیکن کیوں؟ انمول بھی یک دم پریشان ہوئی۔

"بسمہ کیا ہوا ہے تمہیں؟ ایسے روؤ تو مت کچھ بتاؤ تو سہی۔" اس نے بسمہ کے چہرے سے ہاتھ ہٹائے۔ اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

"مومن بہت لکی ہے جسے اس کی ماں آج تئیس سال بعد زندہ سلامت مل گئی ہے انمول لیکن میں اپنی ماں کہاں سے لاؤں۔؟ میری اور اس کی کہانی مختلف نہیں ہے بس فرق صرف اتنا ہے کہ اس کی ماں کو اس سے جدا کرنے والا جہانداد ملک تھا تو میری ماں کو مجھ سے میرے رب نے چھین لیا۔" انمول نے ترحم سے اسے دیکھا۔ اس بچی نے بھی کبھی اپنی ماں کا لمس نہیں پایا تھا۔ انمول ملک خود کو خوش قسمت تصور کرنے لگی تھی کہ وہ تین سال تک اپنی ماں کے سائے تلے رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

"تم نے ٹھیک کہا تمام کہانیاں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ میری اور تمہاری کہانی بھی مختلف نہیں ہے بسمہ شارق۔" انمول سرد لہجے میں بولی۔ کچھ ایسا تھا جو بسمہ شارق کے بہتے آنسو تھم گئے۔ اس نے ناسمجھی سے انمول کو دیکھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"کیا مطلب میں سمجھی نہیں۔؟"

"اس دنیا میں روز لاکھوں مرتے اور لاکھوں بچے ہی جنم لیتے ہیں۔ان میں کچھ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی ماں کو کھو دیتے ہیں۔اور ان میں سے دلیر وہ ہوتے ہیں جو یہ جان جاتے ہیں کہ ایک ماں کو ہم سے دور کرنے والا ستر ماؤں سے بھی زیادہ ہم سے پیار کرتا ہے۔وہ زمانے میں رہنا سیکھ جاتے ہیں۔تم دلیر بچوں کی فہرست میں آتی ہو۔ تم نے کبھی اپنے باپ کے ماحول کا اثر خود پر نہیں پڑنے دیا۔تمہے ٹھیک کہا تمہاری تربیت بسمہ شارق نے کی ہے۔لیکن لاعلمی سب سے بڑا عذاب ہے بسمہ۔تمہاری ماں کبھی مری نہیں تھی نہ ہی وہ تمہیں پیدا کر کے تنہا چھوڑ کر چلی گئی۔اس پہیلی کا جواب تمہیں تمہارا اپنا آپ دے گا۔"اس اپارٹمنٹ کی پوری چھت بسمہ شارق پر گری تھی۔اس نے بے یقینی سے سر اٹھایا۔آنسو بہت دیر کے خشک ہو چکے تھے۔انمول افسردگی سے میز پر دھرا چائے کا کپ اٹھا رہی تھی۔چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی اور انمول ملک کو ٹھنڈی چائے ہی پسند تھی۔پسند کہو یا عشق۔

دورات قبل:

وہ دونوں ہاسپٹل کے ٹھنڈے کاریڈور میں بیٹھے تھے۔اندر ندیم دارازیر علاج تھا۔ اس کا بچنا ناممکنات میں سے تھا۔لیکن امید اور کوشش پر ہی یہ دنیا قائم ہے۔

"وہ وہاں کیوں آیا اور اگر آپ کو مارنے آیا تھا تو آپ کی جگہ اس نے گولی کیوں کھائی اس سب کا جواب مجھے آپ سے چاہیے بھائی۔"مومن کا لہجہ بہت کچھ جتاتا ہوا تھا۔

"یہ تو وہی بتا سکتا ہے۔"ملک نے لاعلمی دکھائی۔

کچھ دیر بعد دو ڈاکٹران کی جانب آتے دکھائے دیے۔

"پیشنٹ کی کنڈیشن کیسی ہے ڈاکٹر۔؟"ملک نے پوچھا۔مومن انگلیوں پر سیکنڈ گننے لگا۔ایک دو۔اور ابھی اِنّ للہِ۔۔۔

"ہی از فائن ناؤ۔ گولی نکال دی تھی جس کی وجہ سے وہ خطرے میں تھے لیکن اب آپکی دعائیں رنگ لائی ہیں جو وہ خطرے سے باہر ہیں۔ آپ دونوں میں سے ملک کون ہے۔؟"

"میں ہوں ملک" ملک آگے بڑھا۔

"آپ کو پیشنٹ بلا رہے ہیں لیکن کوشش کی جائے کہ آپ کی کسی بات سے انہیں دکھ یا صدمہ نہ پہنچے۔" مومن شدید بدمزہ ہوا۔ جتنا ندیم دارا کر چکا تھا اس کا بس چلتا تو وہ اسے دکھ اور صدمے کی بجائے اوپر پہنچا دیتا۔

اگلے منظر میں ملک ندیم دارا کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔

"مم۔ مجھے معاف کر دیں بھائی میں نے بہت سے غلط کام کیے ہیں لیکن کبھی آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ آپ کا ایک احسان ہی میرے کندھے جھکا دیتا ہے بھائی۔" وہ بمشکل اپنے ہاتھ جوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ملک نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ وہ آگے بولنے لگا۔

"بہت سی ایسی باتیں ہیں جن پر سے راز کا پردہ اٹھنا بہت ضروری ہے بھائی۔" آئی سی یو مانیٹر پر اس کی دل کی دھڑکن چل رہی تھی۔ نہ نارمل نہ شدید۔

"بولو۔ میں سن رہا ہوں " اس نے ندیم کی ہمت بندھائی۔

"صوفیہ ابراہیم میرے گھر پر موجود ہیں۔ میں نے کبھی خود سے وعدہ کیا تھا کہ صوفیہ ابراہیم کی قید کی زنجیر میں کاٹوں گا اور خود سے کیے ہوئے وعدوں کا پورا ہونا دل سے منوں بوجھ اٹھ جانے کے برابر ہے۔" ملک اپنے آس پاس کا ہوش بھول بیٹھا۔ وہ صرف اسے سن رہا تھا۔ کیا واقعی صوفیہ ابراہیم کی قید ختم ہو گئی تھی؟ کیا مومن کی بدقسمت ماں آزاد تھیں۔؟ یہ بات جلد از جلد مومن کو بتانی چاہیے۔ اسے اپنی ماں عزیز تھی ماں کسے عزیز نہیں ہوتی؟

"میں جانتا ہوں کہ یہ بات پتہ لگوانا آپ کے لیے قطعاً مشکل کام نہیں ہے لیکن میں ایک اور آسانی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ پر حملہ جہانداد ملک نے نہیں شارق کبیر نے کروایا تھا۔ آپ کے نام کی سپاری تو مجھے ملی تھی۔ لیکن میں اپنے وفادار لوگوں

سے غداری نہیں کرتا۔"اس کا اشارہ ملک کی جانب تھا۔وہ دماغ میں ریاضی کے سوالوں کی طرح دو جمع دو کر رہا تھا۔

"تم بھی میری طرح کے ایک بھیڑیے ہو ندیم۔مجھے وفادار بھیڑیے پسند ہیں لیکن اپنے ماں باپ کے وفادار۔"ہیزل گرین آنکھوں میں سرخی اتری۔

"جانتا ہوں اور بہت سی جگہوں پر آپ کا گناہ گار بھی ہوں۔ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجیے گا۔اب مجھے اپنے ایک سوال کا جواب آپ سے چاہیے۔"ندیم دارا نے اسے دیکھا۔

"پوچھو میں تمہیں جواب دوں گا۔"

"میرا باپ سلیم اور جہانداد ملک اچھے دوست تھے۔وہ دونوں لندن میں اکھٹے پڑھا کرتے تھے۔ہر گناہ میں برابر کے شریک۔وہ دونوں بے مثال تھے۔لیکن پھر جہانداد ملک کی غداری اور برین واشنگ کی بنا پر میرا باپ اس کے ہاں کام کرنے لگا۔وہ چوبیس گھنٹے جہانداد ملک کے ساتھ ہوتا تھا۔میری ماں اس کو لاکھ سمجھاتی لیکن وہ

ایک عیاش مرد تھا۔وہ کتوں کی طرح دن رات جہانداد ملک کے تلوے چاٹتا تھا۔تم بھی اچھے سے جانتے ہو میرے باپ کو، آخر اس رات اس ٹرک میں کوئی اور نہیں بلکہ سلیم تھا۔یہ شاید اس کی زندگی کا بڑا گناہ تھا لیکن پھر اس نے اپنے گناہوں کی سزا پائی۔ایک دن وہ غائب ہو گیا۔وہ یہاں پاکستان میں غائب ہوا تھا۔ان دنوں میں امریکہ ہوا کرتا تھا۔مجھے لگا کہ جیسا نداد ملک نے اسے بھی مروا دیا۔لیکن نہیں بھائی ۔جہانداد ملک کے ہاتھوں میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ اپنے بچپن کے دوست کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔اس نے سلیم کو غائب ضرور کروایا تھا لیکن اس نے میرے باپ کی جان نہیں لی۔اب میرا سوال یہ ہے بھائی کہ۔میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے میرے باپ کو کہاں کیا ہے۔؟کون سے بل یا کون سے ملک میں اسے چھپا رکھا ہے آپ نے" وہ جو ریلیکس انداز میں اپنے بوٹ کی نوک سے فرش کھرچ رہا تھا۔ایک دم اس کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھٹتی گئیں۔سوال غیر متوقع تھا

www.novelsclubb.com

اور مرحلہ حیرانی کا۔ندیم دارا اپنے سوال کے جواب کا منتظر تھا تو ملک کے پاس جیسے الفاظ ختم ہو چکے تھے۔

ماضی:

یہ منظر لندن کے ایک ہسپتال کا تھا۔وہ دونوں پریشان حال کاریڈور میں کھڑے دعا گو تھے۔اندر آپریشن تھیٹر میں ان کی بیٹی صوفیہ ابراھیم داخل تھیں۔

"ابراہیم سے بات ہوئی آپ کی۔؟"ان کی ماں نے استفسار کیا۔

"اس سے رابطہ نہیں ہو پا رہا۔لیکن وہ جلد ہی پہنچ جائے گا"ابراھیم داؤد کسی میٹنگ کے سلسلے میں ملک سے باہر گئے ہوئے تھے۔ان سب کو وہیں چھوڑ کر اگر تم ہاسپٹل کے عقب میں بنے اس کمرے تک آؤ تو سورج کی روشنی چوکھٹ سے گزرتی اس شخص کے چہرے پر گر رہی تھی۔

"تمہیں جیسا کہا گیا ہے تم وہی اس کے ماں باپ سے کہو گی ورنہ انجام کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔" جہانداد ملک اپنے ہاتھ میں ایک نومولود بچے کو اٹھائے سامنے کھڑی نرس سے مخاطب تھے۔وہ اثبات میں سر ہلاتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔

جہانداد ملک نے زہر خند نگاہوں سے اس بچے کو دیکھا۔آج اللہ نے صوفیہ ابراھیم کو اولاد نرینہ سے نواز تھا۔لیکن جہاندار ملک انہیں ان کی اولاد کی شکل دیکھنے کو بھی ترسانے والے تھے۔اولاد کو چھین لینے سے ماں کی حالت ایک مردہ جیسی ہو جاتی ہے تو وہ بھلا کیونکر ناں یہ کام انجام دیتے۔

دوسری جانب ایک نرس ان کے والدین کے سامنے کھڑی تھی۔

"آئی ایم سوری آپ کی بیٹی نے ایک مردہ بیٹے کو جنم دیا ہے۔" ان دونوں کے کندھے ڈھلک گئے۔وہ شاک کی کیفیت میں اس نرس کو دیکھ رہے تھے۔یقین کرنا مشکل تھا کہ ان کا نواسا اس دنیا میں آنے سے قبل مر چکا تھا۔کیا واقعی؟

"اور میری بیٹی۔؟" ان کا دل دھڑکا۔

"ان کی حالت بہت کریٹیکل تھی اس لیے انہیں بیسٹ ٹریٹمنٹ کے لیے دوسرے ہسپتال شفٹ کیا گیا ہے۔"

"واٹ! آپ ایسے کیسے ہماری بنا اجازت اسے کہیں بھی بھیج سکتے ہیں۔؟" انہوں نے پورا ہسپتال سر پر اٹھا لیا تھا۔ اگلے چند لمحات میں یہ خبر ان پر پہاڑ بن کر ٹوٹی تھی کہ ان کی بیٹی لاپتہ ہو چکی ہے۔

یہ وقت شام کا تھا۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں کھڑے تھے۔ ہاتھوں میں ایک نو مولود کا بچہ اٹھائے وہ جھنجھلا کر فون پر آتی کال کاٹ رہے تھے۔

"ارے بس بس بابا کی جان۔" بچہ حلق پھاڑ کر رونے لگا۔ ابراھیم داؤد اسے خاموش کروانے کی تگ و دو کر رہے تھے۔ تبھی وہ خاموش ہو گیا۔

"بابا کی جان کا کوئی پیارا سا نام بھی تو ہونا چاہیے ناں؟" وہ اسے پچکار رہے تھے۔

"مومن۔ہاں مومن ابراہیم نام ہو گا آج سے میرے بیٹے کا۔"انہوں نے اس کے ماتھے پر لب رکھے۔بچہ سکون سے آنکھیں موند گیا۔

"مومن کیونکہ مومن کبھی جھکتا نہیں۔مومن کیونکہ مومن ظالموں پر بھاری ہو گا۔مومن کیونکہ میرا مومن سچا ہو گا۔وہ ہمیشہ حق کے ساتھ کھڑا ہو گا۔"وہ اسے پکارتے ہوئے سلانے کی کوشش کر رہے تھے۔کچھ ہی دیر میں وہ بچہ نیند کی وادیوں میں اترتا چلا گیا۔

ہاں وہ مومن ابراھیم تھا ابراھیم داؤد اور صوفیہ ابراہیم کی سگی اولاد۔

جہانداد ملک نے محض ایک نرس کو خریدا تھا لیکن ابراھیم داؤد نے پورے ہسپتال کو خریدا ہوا تھا۔

جو بچہ جہانداد ملک کے پاس گیا وہ لاوارث تھا۔لے پالک تھا۔

"تمہیں شرم نہیں آئی جہانداد ملک۔ایک ماں سے اس کی اولاد چھینتے ہوئے تمہارا دل نہیں کانپا۔؟"ساحرہ بیگم نے ترحم سے بیڈ پر پڑے اس بچے کو دیکھا۔

"آہستہ بولو ساحرہ۔وہاج اٹھ جائے گا۔"وہ اس بچے کا نام بھی رکھ چکے تھے۔

"میں چیخ چیخ کر سب کو بتاؤ گی کہ تم نے صوفیہ ابراہیم سے اس کی اولاد چھینی ہے۔"وہ چیختی ہوئی کمرے سے باہر نکلی تھیں۔جہانداد ملک بھی ان کے پیچھے دوڑے۔

"رک جاؤ ساحرہ ورنہ میں بہت برا پیش آؤں گا۔"انہوں نے ساحرہ کو سیڑھیوں پر جالیا۔

www.novelsclubb.com

"کیا کرو گے تم۔مارو گے مجھے مار دو لیکن۔"

"میں ایک سیکنڈ سے پہلے تمہیں ان زینوں سے دھکا دے کر مار سکتا ہوں اور رہی بات اس بچے کی تو جو اباً میں سب کو بتاؤں گا کہ ساحرہ ملک وہاج ملک کو جنم دیتے

ہوئے چل بسی۔ چچ۔ چچ۔" ساحرہ نے بھڑک کر ان کا گریبان جکڑا اور اس سے پہلے کہ وہ ایک تھپڑ جہانداد ملک کو دے مارتیں۔

جہانداد ملک نے اپنی کہی بات پر عمل کرتے ہوئے انہیں پیچھے کی جانب دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑائیں اور نا جانے کتنی ہی سیڑھیاں گرتی اپنے ہوش و حواس سے بے گانہ ہو گئیں۔

انہوں نے داخلی دروازے پر کسی کی پرچھائی ابھرتی محسوس کی۔

"انمول۔" وہاں اڑھائی تین سال کی انمول کھڑی تھی۔ وہ اپنی جگہ پر جامد ہو گئے۔ وہ تو آیا کے ساتھ پارک گئی تھی پھر یہاں کیسے؟

"ساحرہ۔" چہرے پر افسوس اور کرب کے ملے جلے تاثرات لاتے وہ ساحرہ کی جانب بڑھے۔

"ساحرہ اٹھو ساحرہ۔انمول یہ دیکھو تمہاری ماما کو کیا ہو گیا۔"انہوں نے ساحرہ کا گال تھپتھپایا۔لیکن وہ اب اس دنیا میں نہیں تھیں۔

"بابا۔"انمول رونے لگی تھی۔بابا نام کی پکار میں کتنی شدت تھی۔جہانداد ملک کو اپنی غلطی کا احساس جی بھر کر ہوا۔

صوفیہ ابراہیم کو ہسپتال سے نکلوانے کے پیچھے ابراہیم داؤد کا ہاتھ تھا لیکن کب اور کیسے صوفیہ ابراھیم لاپتہ ہوئی یہ ان کے گمان میں نہیں تھا۔انہوں نے ہر جگہ،ہر ممکن شخص سے استفسار کر لیا تھا لیکن بے سود۔اب تو انہیں یقین ہو چلا تھا کہ اس سب کے پیچھے بھی جہانداد ملک کا ہاتھ ہو گا۔ابراھیم داؤد لندن سے امریکہ شفٹ ہو گئے تھے۔بیوی کی جدائی کا غم انہیں نگل رہا تھا لیکن انہوں نے اپنی کوشش ترک نہیں کی تھی۔

"دروازہ کھولو۔ کوئی ہے پلیز میری مدد کرو۔" وہ دروازے کو پیٹتی اپنی مدد کے لیے کسی کو پکار رہی تھیں۔ ان سے ان کی اپنی اولاد چھین لی گئی۔ وہ پچھلے ایک ہفتے سے یہاں قید تھی۔ قید ہاں جہانداد ملک کے بنائے پنجرے میں قید۔

ایک دم دھاڑ سے دروازہ کھلا اور جہانداد ملک اپنی پوری وجاہت کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ وہ ان پر چیخی تھیں۔ چلائی تھیں۔ لیکن وہ بس خاموشی سے انہیں تکتے رہے۔

"میں نے تمہیں ٹوٹ کر چاہا تھا صوفیہ۔ ہمیشہ تمہارے نام کے ساتھ اپنا نام رکھا اور تم نے کیا کیا مجھے توڑ دیا۔ میرا وجود چھلنی کر کے تم اس ابراہیم سے شادی کر گئی۔" وہ خاموشی سے انہیں سننے لگیں۔

"مجھ سے بچپن میں ایک غلطی ہوئی تھی صوفیہ کہ میں نے تم سے منگنی کی۔ جس کی سزا اب تم بھگتو گی۔" وہ خاموش ہوئے۔ صوفیہ ابراہیم کے لب کچھ بولنے کو پھڑ پھڑا رہے تھے۔

"میری اولاد کہاں ہے جہانداد ملک۔؟ کیا کیا ہے تم نے اس کے ساتھ۔؟" انہوں نے جہانداد کو گریبان سے جکڑا۔ وہ قہر آلودہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔ یہ وہ چہرہ تھا جس کی تمنا کبھی انہیں تھی۔ لیکن وہ دھوکے باز نکلی تھیں۔ اور ان کی سزا موت ہونا تھی۔

"تمہاری اولاد مطلب تمہارا بیٹا اس وقت میرے پاس ہے وہاج ملک نام رکھا ہے میں نے اس کا۔ سوچو جس شخص کی تم شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی اس کا نام اپنی اولاد کے ساتھ کیسا لگ رہا ہے۔؟" صوفیہ کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔ کیا ابراہیم انہیں بھول گیا تھا۔

www.novelsclubb.com

"بولو جواب دو مجھے۔ کیسا لگ رہا ہے اس قید میں رہ کر۔ میری محبت کی قید میں رہتی تو بہاریں تمہارا نصیب بنتی لیکن یہ سزا تم نے خود چنی ہے۔ میں جہانداد ملک آج اسی لمحے صوفیہ 'ابراہیم' کی محبت سے دستبردار ہوتا ہوں۔" اور اسی لمحے صوفیہ ابراہیم کا وجود پتھر ہو گیا۔ انہیں غم نہیں تھا انہیں صدمہ تھا۔

"تم ہوتے کون ہو ایک ماں سے اس کی اولاد چھیننے والے۔ کس حق سے تم نے میرے بیٹے کو مجھ سے جدا کیا جہانداد ملک۔"

"تم نے کس حق سے میری محبت کی تزلیل کی تھی صوفیہ 'ابراہیم'۔ میری محبت روندے جانے کے قابل تو نہ تھی۔" ان کی آواز میں لرزش تھا۔ لہجہ ہارا ہوا۔

جہانداد ملک وہاں سے نکل گئے۔ صوفیہ ابراہیم تنہا رہ گئیں۔ اس سیاہ کال کوٹھری میں اکیلی۔ اور یہ وہ دن تھا جب صوفیہ ابراہیم کی زبان پر تالا لگ گیا۔ جس کی کنجی ان کی اولاد تھی۔

"میرا بیٹا ایک دن مجھے یہاں سے نکالے گا۔" الفاظ ان کی زبان پر رقم کر دیے گئے۔ دن گزرے، مہینے نکلے اور سال بیتے لیکن صوفیہ ابراہیم کی قید کبھی ختم نہیں ہوئی۔

حال:

وہ صوفیہ ابراہیم کی گود میں سر رکھے لیٹی ان سے باتیں کر رہی تھی۔اسے صوفیہ ابراہیم کی صورت ایک ماں مل گئی تھی۔بسمہ شارق کا دل خوش تھا۔صوفیہ ابراہیم اس کے بال سہلا رہی تھیں۔

"عمر کیا ہے تمہاری۔؟" وہ مستفسر ہوئیں۔

"اکیس سال۔خیریت؟" بسمہ نے جواب دیا۔وہ مسکرائی تھیں۔وہ جب مسکراتی تھیں تو ان کی آنکھیں چھوٹی ہو جاتی تھیں۔

"ابھی تک شادی نہیں کی تم نے۔" بسمہ کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔اکیس سال۔کیا یہ کوئی عمر تھی شادی کی۔

"اکیس سال کوئی عمر نہیں ہوتی شادی کی۔" اس نے بتانا ضروری سمجھا۔

"ہاں لیکن خوبصورت اور پیاری لڑکیوں کا زیادہ دیر تنہا رہنا بھی اچھا نہیں ہے۔" انہوں نے اس کے بال ماتھے سے ہٹائے۔ وہ کھلکھلا دی۔ خوبصورت اور پیاری۔ ہاں وہ تھی اتنی پیاری۔

"بالکل۔ آپ اس کی شادی کیوں نہیں کروا دیتیں۔" مومن ہاتھ میں جوس کا گلاس تھامے کمرے میں داخل ہوا۔

"ہینڈسم اور خوبصورت لڑکوں کا کنوارا رہنا بھی اچھی بات نہیں ہے ماما اس کے لیے بھی کوئی لڑکی ڈھونڈیں۔" وہ مومن کو دیکھ صوفیہ ابراہیم سے مخاطب ہوئی۔

"تم دونوں لڑنا تو بند کرو میں نے تو ایک بات کی تھی۔ ویسے ایک لڑکی ہے میری نظر میں تمہارے لیے۔" مومن کے سائیڈ ٹیبل پر گلاس رکھتے ہاتھ رکے۔ کانوں کی لوئیں تک سرخ ہوئی تھیں۔

"آپ اپنی نظروں کو قابو میں رکھیں۔ بہت سی لڑکیوں پر ٹک رہی ہیں میرے خیال میں۔ مجھے کسی سے شادی نہیں کرنی نہ آج نہ زندگی میں پھر کبھی۔" اس کا

انداز ایک دم سے سنجیدہ ہوا تھا۔ بسمہ نے بغور جائزہ لیا وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ کمرے سے باہر نکلا تھا۔

'اس سب کی وجہ آپ ہیں انمول۔ کاش آپ اس کا محبت سے بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیتیں۔' بسمہ شارق دل میں انمول سے مخاطب تھی۔ صوفیہ ابراہیم ماں تھیں اپنے بیٹے کی خوشیاں دیکھنا ان کا حق تھا لیکن یہاں بیٹا ہی کترا رہا تھا تو وہ بیچاری کیا کرتیں۔

"تم مومن کو سمجھاؤ بسمہ وہ شاید تمہاری بات مان جائے۔" انہوں نے بسمہ سے کہا۔ آنکھوں کی جوت ایک دم بجھ گئی تھی۔ بیٹے ماں کا احساس کیوں نہیں کرتے۔

"آپ ٹینشن مت لیں ماما۔ وقت لگے گا لیکن وہ سنبھل جائے گا۔"

"اسے سنبھالنے کی خاطر کسی دوسرے وجود کا ہونا ضروری ہے بیٹا۔ جو اس کا ہیلر ہو۔ جو اس کے ٹوٹے ہوئے دل کو ہیل کر سکے۔" بسمہ کا دماغ مومن کی جانب جا چکا تھا۔ وہ آج بھی انمول سے محبت کرتا تھا۔ لیکن کہتا نہیں تھا۔ پہلی محبت کبھی

بھلائی نہیں جاسکتی۔وہ کم ہو سکتی ہے وقت کے ساتھ لیکن بھولنے کے لیے نئ زندگی کا ملنا ضروری ہے۔

مومن ہزار دعوے کرلے لیکن حقیقت وہی تھی جو کچھ عرصہ پہلے تک تھی۔

کمرہ نیم تاریک تھا ایسے کہ وہاں موجود واحد کھڑکی میں سے روشنی آتی اسے منور کر رہی تھی۔کمرے کے وسط میں تمہیں کوئی شخص کرسی پر بیٹھا نظر آئے گا۔

"دد۔دیکھو مجھے چھوڑ دو۔میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔کیوں تم لوگوں نے مجھے یہاں باں دھ رکھا ہے۔؟"وہ کرسی کے ہتھوں پر بندھے اپنے ہاتھ کھولنے کی کوشش کرتا چیخ رہا تھا۔اس کی آنکھوں پر بھی پٹی بندھی ہوئی تھی۔اس کے چہرے پر تازہ زخموں کے نشان تھے۔

کھڑکی کے قریب کوئی کھڑا اپنا سانس باہر کی کھلی ہوا کے سپرد کر رہا تھا۔ کھڑکی سے باہر دیکھو تو تمہیں وہاں چند ٹوٹے پھوٹے گھروں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اس کا مطلب وہ گنجان علاقہ تھا۔ دفعتاً وہ شخص مڑا۔ دور سے دیکھنے پر ہی ہیزل گرین آنکھیں سرخ معلوم پڑ رہی تھیں۔ وہ آگے آیا اور پاس رکھی پانی کی بالٹی اس شخص پر انڈیل دی۔

"کون ہو تم۔" وہ شخص دھاڑا۔

"پہچان جاؤ گے۔" اور وہ تو آواز سے ہی پہچان گیا تھا کہ مقابل شخص ہے کون۔

"م۔ملک۔تت۔تم۔" ملک نے اس کی آنکھوں پر سے پٹی اتاری۔

"ملک نہیں ماہیر سکندر۔ جیا سکندر کا بھائی۔" اس شخص کا سانس سوکھنے لگا۔ حلق تر کرتے اس نے دوبارہ ملک کی جانب دیکھا۔

"مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا۔؟" ملک نے اس کو دونوں جبڑوں سے پکڑا۔اس شخص کی حیرت مزید بڑھتی گئی۔

"وہ تصاویر بالاج سکندر تک کیسے پہنچیں؟ جب میں نے تمہیں وارن کیا تھا کہ سکندر ہاؤس کے مکینوں سے دور رہنا تو تم کیوں باز نہ آئے۔؟" اس نے دریافت کیا۔آواز میں غصہ تھا۔

"میں نہیں جانتا۔ جس مرضی کی قسم لے لو۔ میں نے کوئی تصویریں بالاج کو نہیں دیں۔ ناں ہی میں نے سکندر ہاؤس کے لوگوں پر نظر رکھی ہے۔ ہوا کیا ہے کچھ تو بولو۔؟" وہ ایک بار پھر سے چیخنے لگا۔

"تم نے نہیں دی تو کس نے دی ہیں۔؟ تمہارے علاوہ کون ہے اس کھیل میں شامل؟ آخر وہ شخص ہے کون جس نے میری بہن کو اس کے گھر سے دربدر کیا۔ میں تمہاری جان لے لوں گا وہاج ملک بتاؤ مجھے۔" ملک کی آواز دیوار سے سر پٹک کر واپس آنے لگی۔ وہاج کو اپنی موت قریب کھڑی قہقہہ لگاتی محسوس ہوئی۔

www.novelsclubb.com

"میں نہیں جانتا میں تو جیا تک سے نہیں ملا۔ مجھ سے بے شک میرے باپ جہانداد ملک کی قسم لے لو۔" وہ ہاتھ بھی جوڑ سکتا تھا لیکن فی الوقت وہ بندھے ہوئے تھے۔ وہ مرنا نہیں چاہتا تھا اور ملک کے ہاتھوں ہر گز نہیں۔ ہر زی روح کی طرح اسے بھی اپنی جان پیاری تھی۔

"کم از کم قسم تو اپنے سگے باپ کی کھا لیتے تم۔" ملک کے لہجے میں ناگواری تھی۔

وہاج ملک چونک گیا۔

"کیا بکواس ہے یہ؟"

"بکواس نہیں حقیقت کہو وہاج ملک۔ اور وہ یہ کہ جہانداد ملک تمہارا باپ نہیں تمہارا باپ کوئی اور ہے۔ اس نے صرف تمہیں ایک پالتو کتے کی طرح پالا ہے جبکہ سچ کچھ اور ہے۔" وہ جیب سے کچھ نکال رہا تھا۔

"کبھی تم نے کہا تھا کہ مجھے اپنی اوقات نہیں بھولنی چاہیئے۔ واقعی ہر انسان کو اپنی اوقات نہیں بھولنی چاہیے۔ اپنا اصل لے کر اس دنیا میں آئے ہو تو جاؤ گے بھی

اپنے اصل کے ساتھ۔ تمہیں تمہارا اصل یہ بتائے گا۔"اس نے ایک خاکی رنگ کا لفافہ اس کے سامنے لہرایا۔دوسرے ہاتھ میں کچھ اور بھی تھا۔کوئی شیشی۔اور یہاں وہاج ملک کی آنکھیں بند ہو گئیں۔وہ زیرِ لب بڑبڑانے لگا۔دعاؤں کا ورد۔

"پلیز پلیز ملک۔میں نے کچھ نہیں کیا میں سچ کہہ رہا ہوں۔اگر تم کہو گے تو میں جیا سے بھی معافی مانگ لوں گا۔بس ایک آخری دفعہ مجھے معاف کر دو۔پلیز۔"وہ بھیک مانگ رہا تھا۔ملک کو یقین ہو چلا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔اگر تصویریں بالاج تک پہنچانے والا وہاج ملک نہیں تھا تو اسے اس دوسرے شخص کا سراغ لگانا تھا۔اس نے تیزاب کی بھری شیشی دیوار میں دے ماری۔کانچ ٹوٹا اور نتھنوں کو جلا کر راکھ کر دینے والی خوشبو پورے کمرے میں پھیلنے لگی۔

"آخری بار وہاج۔۔یہ آخری دفعہ تھا اس کے بعد تمہارا کھیل ختم۔"اس نے وہ لفافہ وہاج ملک کے منہ پر مارا۔

"میرے ہاتھ تو کھولتے جاؤ۔"اسے باہر کی جانب بڑھتے دیکھ وہ پیچھے سے چلایا تھا۔

www.novelsclubb.com

"نوکر نہیں ہوں میں تمہارا۔" وہ جھلا کر کہتا باہر نکل گیا۔اندر پورے کمرے میں تیزاب کی اٹھتی تعفن زدہ خوشبو پھیلنے لگی۔وہاج سے سانس لینا محال ہو رہا تھا۔

ماضی:

معید سکندر کو اللہ تعالیٰ نے ایک پیاری سی گڑیا عطا کی تھی جس کا نام انہوں نے منہا سکندر رکھا۔ماہیر سکندر کے گیارہ سال بعد واجد سکندر کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نوازا۔چند ماہ کی جیا سکندر اپنی معصومیت سے سب کا دل موہ لیتی۔بالاج سکندر اسے گھنٹوں بیٹھ کر تکا کرتا تھا۔وہ تھی ہی اتنی پیاری۔ماہیر سکندر اور بالاج کی دوستی وقت کے ساتھ گہری ہوتی جا رہی تھی۔وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھی تھے۔

"بالاج تم مجھ سے ایک وعدہ کرو گے۔؟" ایک دن وہ ایسے ہی اس سے بول اٹھا۔

"ہاں کیوں نہیں میں وعدہ کروں گا۔"اس کی عمر دس سال تھی جبکہ ماہیر اس سے ایک سال بڑا تھا۔

"تو پھر وعدہ کرو تم کبھی بھی جیا کو رونے نہیں دو گے۔بلکہ ہمیشہ اس کا خیال رکھو گے۔بتاؤ تم بنو گے ناں اس کے محافظ۔"اس کے باپ نے بتایا تھا کہ وہ جیا کا بھائی ہے اور اس کا محافظ۔وہ یہی سب بالاج سے بھی ایکسپیکٹ کر رہا تھا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں میں کہ تمہاری بہن کا خیال رکھوں گا۔"دس سالہ بالاج نے گیارہ سالہ ماہیر سکندر کے ہاتھ سے ہاتھ ملایا۔

یہ واقعہ چند روز بعد کا تھا جب ایک آفیشل ڈنر سے واپسی پر واجد سکندر اور صدف ملک جان کی بازی ہار گئے۔اگر تم اس رات کو اس سنسان سڑک پر لے کر آؤ تو تمہیں وہاں روتا بلکتا بچہ نظر آئے گا۔وہ اپنے ماں باپ سے اٹھنے کی فریاد کر رہا تھا۔ لیکن وہ جان سے جا چکے تھے۔ایک ٹرک نے بری طرح ان کی گاڑی کچل ڈالی تھی۔ماہیر سکندر اس رات بچ گیا تھا۔کیسے؟

کچھ لمحے قبل ان کی گاڑی خراب ہوئی۔تو وہ دونوں باپ بیٹا باہر نکل آئے۔ماہیر سکندر سڑک کے درمیان میں کھڑا شرارتیں کر رہا تھا جبکہ واجد سکندر گاڑی پر جھکے اسے چیک کر رہے تھے۔تب بھی یہ واقعہ پیش آیا۔اس بچے کی زندگی جیسے ختم ہوتی جا رہی تھی اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے ماں باپ کو تڑپ تڑپ کر مرتے ہوئے دیکھا تھا۔

اس دن اس رات سے اس کی آنکھوں میں جنون سوار ہوا۔بدلہ لینے کا جنون۔انتقام کی آگ جو کبھی بجھتی نہیں ہے۔اس جہاں میں تو کبھی نہیں۔

'انتقام اس کی خواہش نہیں جنون تھا۔'

www.novelsclubb.com

جہانداد ملک وہاں پہنچ چکے تھے۔انہوں نے زبردستی ماہیر سکندر کو اپنے ساتھ گھسیٹنا شروع کی۔وہ سڑک پر اوندھے منہ گرا ان کے ساتھ کھنچا چلا جا رہا تھا۔لیکن وہ ظالم تھے۔بے حد جابر۔

"تمہارے ماں باپ نے اپنی غداری کی سزا پالی بچے۔اب تمہاری باری۔ جانتے ہو میرے نزدیک غداری کی سزا کیا ہے۔ موت صرف موت۔ لیکن تمہارا وقت بہت دور ہے۔" وہ اسے اپنے ساتھ لے گئے۔

اپنے بھائی اور بھاونج کی موت کی خبر معید سکندر پر قہر بن کر ٹوٹی تھی۔ وہ ڈھے گئے تھے۔اس دن ان کی کمر توڑ دی گئی۔اوپر سے ماہیر سکندر کی گمشدگی کی خبر زخم گہرا کر رہی تھی۔ پولیس کا کہنا تھا کہ وہ بچہ انہیں کی مانند ٹرک تلے کچلا جا چکا ہے لیکن کسی نے ان کی بات پر یقین نہیں کیا۔ وہ لوگ سکندر ہاؤس شفٹ ہو گئے۔ سات ماہ کی جیا کو کچھ خبر نہ تھی۔ بس وہ ماں کا لمس محسوس نہ کر کے روتی تھی اور اس کا رونہ بالاج کو چڑ دلاتا تھا۔ وہ اس سے نفرت کرنے لگا تھا۔ کیونکہ وہ ماہیر سکندر سے مشابہت رکھتی تھی۔اور آنے والے اٹھارہ سال بالاج سکندر نے ماہیر سکندر کی نذر کیے تھے۔

---

www.novelsclubb.com

جہانداد ملک اسے لے کر لندن آئے تھے وہ پاکستان رہنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔انہوں نے اس کے ڈاکیومنٹ میں اسے ایک نئی شناخت دکھائی تھی۔

"ملک"

اس کا نام ماہیر سکندر سے بدل کر ملک رکھ دیا گیا اور پھر وہ نام تاحیات ماہیر سکندر کے ساتھ نتھی رہا تھا۔ لندن پہنچنے تک ماہیر سکندر صدمے سے خاموش رہا تھا۔ جب ہوش آیا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ سفاک انسان اس کا سگا ماموں ہے۔وہ اس کے سامنے گڑگڑایا۔رویا لیکن انہوں نے اس کی ایک نہ سنی۔

"کیا تم واپس جانا چاہتے ہو۔؟"انہوں نے ایک روز اسے پیار سے پچکارتے سوال کیا۔

"ہہ۔ہاں آپ آپ مجھے میرے گھر واپس بھیج دیں پلیز ماموں پلیز۔مجھے یہاں نہیں رہنا۔"اس نے جھٹ اثبات میں سر ہلایا۔وہ کچھ ہی دنوں میں بیزار ہو گیا تھا۔ سارا دن اور رات وہ ایک ہی کمرے میں بند رہتا۔

"اگر تو تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں واپس جانے دوں تو تمہیں میرے ساتھ رہنا پڑے گا۔" انہوں نے اسے امید تھمائی۔

"کب تک۔؟" وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ کتنے دن کتنے ہفتے۔؟ لیکن۔۔

"دس سال تو کہیں نہیں گئے ملک۔" وہ مسکرائے۔اور ماہیر سکندر پتھر کا ہو گیا۔

"تم واپس جا کر کیا کرو گے ؟ ماں باپ تمہارے مر چکے ہیں پیچھے کیا بچا ایک بہن تو وہ بھی دیکھنا اپنی ماں کے نقشِ قدم پر چلے گی۔" وہ صحیح کہہ رہے تھے کہ اس کا پیچھے کوئی نہ تھا ماسوائے ایک بہن کے۔اسے کافی دن گزر چکے تھے یہاں پر۔اب تک تو اس کے گھر والے اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک چکے ہونگے۔وہ ریلیکس ہو گیا۔اسے اپنی بہن کی فکر ختم ہوئی۔کیونکہ وہ اسے مضبوط انسان کے حوالے کر کے آیا تھا۔اس کے حوالے جسے چٹان جتنا مضبوط خود ماہیر سکندر نے بنایا تھا۔

اس کا پر سکون انداز جہانداد ملک کو کھٹکا ضرور لیکن وہ اسے وقت کے بدلتے حالات کی نظر کر گئے۔ہو سکتا ہے وہ ان کی بات سمجھ گیا ہو۔انہوں نے ماہیر سکندر کا داخلہ

لندن کے ہائی سکول میں کروایا تھا۔وہ اس کی تعلیم و تربیت کرنے والے تھے بالکل ویسے ہی جیسے انہوں نے وہاج ملک کی کبھی کرنا تھی۔

انہوں نے ملک کے کہنے پر اسے گھر کے اندر نہیں رکھا تھا بلکہ وہ اپنی مرضی سے سرونٹ کوارٹرز میں رہتا تھا۔وہ بھی مطمئن ہو گئے۔کم از کم انہیں اس کی شکل نہیں دیکھنا پڑے گی۔ رات کو ملک دیر تک باہر رہتا تھا لیکن انہوں نے کبھی وجہ جاننے کی کوشش نہیں کی ویسے بھی وہ اسے لندن کے ماحول میں رنگنا چاہتے تھے۔

موسم بہت خوبصورت تھا۔کافی دنوں بعد آج دھوپ نکلی تھی یا یوں کہا جائے کہ وہ آج ملک کا دیدار کرنے نکلی تھی۔وہ جب سے آیا تھا آج باہر نکلا تھا۔وہ لان میں پڑی چیئر زپر بیٹھا آنکھیں موندے ہوئے تھا۔سامنے ٹیبل پر چائے کا کپ پڑا تھا۔پاس ہی اس کا جرنل رکھا ہوا تھا۔جب کوئی شے اس کے کان سے چھوئی۔اس نے کان

کی لو جھٹکی شاید کوئی کیڑا تھا۔وہ دوبارہ اپنی موج میں ڈوب گیا۔اب کی بار کوئی شے اس کی گردن کو چھوئی تھی پھر آہستہ آہستہ اس کے بالوں کی جانب بڑھنے لگی۔

"یااللہ۔"وہ کرنٹ کھا کر اٹھا۔کپڑے جھاڑے لیکن وہاں کچھ نہ تھا۔

"ہی ہی ہی۔"کسی بچے کی کھلکھلاہٹ کی آواز اسے اپنے عقب سے سنائی دی۔وہ مڑا۔ہیزل گرین آنکھیں سامنے موجود ہستی کو دیکھ کر سکڑی تھیں۔اس نے ابھی تک اسے نہیں دیکھا تھا۔

"مجھے تم تنگ کر رہی تھی۔؟"اس نے پوچھا۔مقابل ہستی اپنی غزالی آنکھوں میں دنیا جہاں کی معصومیت سموئے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں وہ تم تھی۔مجھے کیوں تنگ کیا۔؟"ملک نے اسے گھورا۔وہ آرام سے ٹیبل پر چڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔اس کا ہاتھ پھسلا اور اگلے ہی لمحے چائے کا سارا کپ ملک کے جرنل پر سلامی عرض کر رہا تھا۔

"یو سلی گرل یہ کیا کیا تم نے۔" ملک نے اسے بازو سے پکڑ کر دور جھٹکا۔ وہ گھاس پر گری تھی۔ لیکن زار و قطار رونے کا شغل شروع کر چکی تھی۔ ملک نے تکان سے اسے دیکھا۔ یہ جرنل اس کے لیے بہت قیمتی تھا جو یہ نامعلوم لڑکی خراب کر چکی تھی۔

"ہیئے۔ اب رو کیوں رہی ہو۔؟" ملک نے اسے اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ ممکن تھا کہ وہ رو رو کر ندیاں بہا دیتی۔

"تم گندے ہو تم نے مجھے تھپڑ مارا۔ میں بابا کو بتاؤں گی۔" وہ رو رہی تھی۔ ساتھ میں اپنی کہنی سہلا رہی تھی۔ اس نے ہاف سلیوز شرٹ پہن رکھی تھی۔

"تو تم چغل خور ہو میری چغلی کھاؤ گی۔" ملک نے اس کا ہاتھ پکڑا۔ اب اس کی برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔

"نہیں وہ کیا ہوتا ہے میں نے تو آج تک نہیں کھائی۔۔۔آ تم نے مجھے تھپڑ مارا تھا۔ بابا۔ بابا۔" بات کرتے کرتے اسے یاد آیا کہ ملک نے اسے تھپڑ بھی مارا ہے۔ لیکن اس نے تو کوئی تھپڑ نہیں مارا تھا اسے۔

"آآآ۔ نچ۔" ملک کے ہاتھ کی دو انگلیاں اگلے ہی لمحے اس کے ننھے منھے دانتوں میں تھیں۔ نوکیلے دانت اسے اپنی جلد میں پیوست ہوتے محسوس ہوئے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ ایک سیر تھا تو دوسری سوا سیر انمول ملک تھی۔

اگلے منظر میں وہ چھوٹا پٹاخا جہانداد ملک کے بازوؤں میں دبکی بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ اور ملک ان کے سامنے کھڑا تھا۔ سر جھکائے نہیں گردن اکڑا کر۔

"آئندہ میری بیٹی کو ہاتھ بھی لگایا ناں ملک تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" وہ اسے ڈانٹ رہے تھے۔ لہجے میں مصنوعی پن تھا کیونکہ وہ جانتے تھے غلطی انمول کی ہی ہو گی۔

"اپنی بیٹی سے کہیں اپنے دانتوں کو قابو میں رکھے اچھے بھلے انسان کو چودہ ٹیکے لگوانے کا سبب بن سکتی ہے یہ۔" انمول ملک نے غصے سے اسے دیکھا۔اس کی بات پر جہانداد ملک نے اپنی ہنسی دبائی۔ جبکہ ملک کے نقوش تن گئے تھے۔وہ شخص ہنس رہا تھا۔وہ کیسے برداشت کر جاتا۔

وہ جہانداد ملک کی ضد پر ایک کراٹے کلب جوائن کر چکا تھا۔وہاں کا کوچ بہت اچھا تھا۔ملک کو وہاں کا ماحول جہانداد ملک کے گھر سے قدرے بہتر تھا۔وہ دن کو سکول سے آنے کے بعد یہیں آجاتا تھا۔ایک تو گھر پر جہانداد ملک اور دوسرا ان کی پٹاخا بیٹی۔

اس کا بس چلتا تو وہ اس آفت کی پڑیا کو اٹھا کر کسی دوسرے جہاں پٹک دیتا۔لیکن کاش۔

www.novelsclubb.com

آج وہ جہانداد ملک کے کہنے پر ان کے ساتھ ایک سائٹ پر آیا تھا۔نیوی بلو پولو شرٹ پر بلیک جینز پہنے وہ بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔وہ اس وقت چودہ سال کا تھا۔

"سلیم۔میری گن لاؤ ادھر۔" سلیم فوراً سے حاضر ہوا۔انہوں نے وہ بندوق ملک کی جانب بڑھائی۔وہ چند لمحے اس بندوق کو دیکھتا رہا۔

"گولی آپ کو مارنی ہے؟" اور جب بولا تو آواز کھردری تھی۔لہجہ بے لچک۔

"تمہارا نشانہ بہت کچا ہو گا اسے درست کروانا ہے ورنہ کیسے لڑ پاؤ گے اپنے دشمنوں سے۔" ملک نے گن تھامی۔اور جہانداد ملک کی ہدایت کے مطابق نشانہ باندھا۔وہ چودہ سالہ ماہیر سکندر بندوق چلانا سیکھ رہا تھا۔

"شوٹ۔!" انہوں نے بلند آواز لگائی۔ملک کا ہاتھ ٹریگر پر گیا۔اس نے ٹریگر دبایا گولی ٹھاہ کی آواز سے نکلی تھی لیکن سامنے موجود اپنے ٹارگٹ پر نہیں لگی۔جہانداد ملک نے دیکھا وہاں تعینات گارڈز مین بوس ہو رہا تھا۔ملک کے چہرے پر زہر خند

مسکراہٹ بکھر گئی۔اس کا نشانہ کچا نہیں تھا وہ اپنا ٹارگٹ جانتا تھا۔جہانداد ملک کا ملازم ملک کے ہاتھوں زخمی ہوا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھا پڑھائی کر رہا تھا۔اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی جس کی وجہ سے وہ کلب نہیں گیا تھا۔وہ کب سے اپنا دھیان کتابوں پر مرکوز کیے ہوئے تھا۔جب اسے احساس ہوا۔کسی کی موجودگی کا احساس اور ایک مخصوص خوشبو۔اس نے ادھر سے ادھر جھانکا کمرے میں کوئی نہ تھا۔شاید اس کا وہم تھا۔لیکن اگر وہ کھڑکی سے باہر دیکھتا تو جان پاتا کہ وہ تین فٹ تین انچ کی لڑکی کھڑکی سے اندر جھانکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ملک کو متوجہ نہ پا کر وہ مایوس سی واپس لوٹ گئی۔وہ ایسا ہی تھا جب بھی گھر ہوتا انمول ملک کو منہ بھی نہ لگاتا اور ایک وہ تھی جو اس کے پیچھے پیچھے ہوتی تھی۔

پھر سارا دن ملک کو وہی احساس رہا۔ جیسے کسی کی نظریں اس پر کھب چکی ہوں۔ جہانداد ملک نے آج اسے گھر کے اندر کھانے کی دعوت دی تھی۔ وہ ٹھکرا نہیں سکا۔ احترام اس پر فرض تھا۔

اس وقت وہ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا جہانداد ملک کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ جب کسی بلی کے میاؤں میاؤں کی آواز اسے اپنے قریب سے سنائی دی۔ لیکن اس گھر میں تو کوئی بلی نہ تھی۔

اس نے دیکھا دروازے کی اوٹ میں چھپی وہ منہ پر دونوں ہاتھ رکھے رازدارانہ انداز میں ایسے آوازیں نکال رہی تھی۔ ملک کو اس کی چالاکی سمجھ آئی۔ وہ ڈبل گیم کھیلتا کچن میں بڑھ گیا۔ وہاں موجود پینٹری کے باہر کی جانب کھلتے دروازے سے ہو کر وہ اندرونی دروازے سے دوبارہ اندر آیا۔ انمول پریشان سی ڈائننگ ہال میں اسے ڈھونڈ رہی تھی۔ یہ کہاں گیا؟

"اوئی ماں۔" اس کا کان بہت برے طریقے سے مڑوڑا گیا۔ وہ چلا اٹھی۔

"تو یہ تم تھی جنگلی بلی۔" اس نے اور زور سے اس کا کان مڑوڑا۔ غزالی آنکھوں میں آنسو جمع ہوتے گالوں پر بہہ نکلے۔ سرخ آنکھیں گالوں پر آنسو۔ ملک کا دل اس کے رونے پر دھڑکا۔ وہ الٹے پاؤں واپس مڑا۔ وہ وہاں نہیں رک سکتا تھا۔ وہ لڑکی اسے سٹک کر رہی تھی۔ اور وہ اس کے جال میں بچھ کر اپنا ہدف کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی آنکھیں بلاشبہ ماہیر سکندر کو زیر کرنے کی طاقت رکھتی تھیں۔ وہ پلٹتا گیا۔ کھانا۔ جہانداد ملک اور اپنا آپ وہ سب بھول رہا تھا۔ یاد تھا تو بس وہ سرخ متورم غزالی آنکھیں۔

"اسکی آنکھیں مجھے مدہوش کر رہی ہیں۔ کیوں؟۔" وہ سٹڈی ٹیبل پر سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھا تھا۔ چہرے پر پریشانی اور عاجزی تھی۔ اس کی غزالی آنکھوں سے وہ ہوش گنوائے جا رہا تھا۔ آخر کیوں؟ اس نے خود سے سوال کیا۔

اس کے پاس جواب نہیں تھا۔

یا وہ خود کو وہ جواب نہیں دینا چاہتا تھا۔

www.novelsclubb.com

اس کا پورا بدن پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔اس کے دائیں اور بائیں مختلف لڑکے کھڑے پسینے سے تر تھے۔سامنے ہی کوچ انہیں ٹریننگ دے رہا تھا۔

''آج وہ صاحب نہیں آئے۔"ٹریننگ میں بریک کے دوران ملک نے کوچ سے پوچھا۔

''معلوم نہیں کوئی پریشانی ہو سکتی ہے۔"وہ کندھے اچکا گئے۔وہ صاحب روزانہ کچھ دیر کے لیے وہاں آتے تھے۔اکیلے آتے تھے تنہا ہی جاتے تھے۔آج وہ نہیں آئے تھے لیکن کیوں۔؟

وہ ابھی یہی سوچ رہا تھا جب کوئی شخص ایمرجنسی میں کلب کے اندر داخل ہوا۔اس کے بازوؤں میں ایک بچہ تھا جو بری طرح سے رو رہا تھا۔اتنا بڑا بچہ وہ کیسے اپنے بازوؤں میں اٹھائے ہوئے تھے؟

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

وہ سیدھا ملک کی جانب آئے۔ کوچ انہیں دیکھ رہا تھا۔

"ملک میرے پیارے بیٹے کیا تم میری مدد کرو گے۔ مجھ پر ایک احسان کر دو ۔"انہوں نے منت کی۔ ملک پریشان ہوا۔

"کیسی مدد۔؟"بچہ ان کی بانہوں میں روٹھا ہوا تھا۔ جیسے وہ اپنے باپ کی کسی بات سے متفق نہ ہو۔

ملک کی نظریں اس خوبصورت ترین بچے سے اس کے باپ کی جانب گئیں۔ کوچ اور ملک ان کی آمد کی وجہ سمجھ چکے تھے۔

www.novelsclubb.com

حال:

وہ آج تین دن بعد اپارٹمنٹ میں داخل ہوا تھا۔ آنکھیں رت جگے کی نشاندہی کر رہی تھیں۔ وہ سیدھا چلتا ہوا راہداری میں آگے آیا۔ وہاں صوفے پر صوفیہ ابراہیم

بیٹھی تھیں۔اوران کی گود میں سر رکھے مومن ابراہیم لیٹا ہوا تھا۔صوفیہ ابراہیم کی انگلیاں اس کے سر میں حرکت کر رہی تھیں۔

وہ آگے بڑھا اور سلام کیا۔دونوں نے ہی محبت سے جواب دیا تھا۔اس کی متلاشی نظروں کو ادھر ادھر گھومتے دیکھ مومن نے اپنی ہنسی دبائی۔

"وہ اپنے کمرے میں ہیں بھائی۔" وہ سرسری انداز میں گویا ہوا۔ملک مسکرا کر سر جھٹکتے اس کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔مومن نے نظریں اٹھا کر اپنی ماں کا نورانی چہرہ دیکھا۔وہ آنکھوں میں فکر لیے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"کیا ہوا؟" آنکھوں میں سوال تھا اور لہجہ خوشگوار۔

"جینا سیکھ چکے ہو تم۔" وہ سانس خارج کرتی بولی تھیں۔شاید یہ سوال تھا۔

"میں زندگی گزارنا سیکھ چکا ہوں ماں۔زندگی جینے اور گزارنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔وہ شخص جو ابھی مجھ سے اور آپ سے مل کر گیا ہے ناں وہ مجھے اس دنیا میں

سب سے محبوب ہے۔وہ اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر اگر مومن ابراہیم کی حفاظت کرتا ہے تو مومن ابراہیم بھی اس کی حفاظت کے لیے جان دے بھی سکتا ہے اور لے بھی سکتا ہے۔ملک میرے بھائی ہی نہیں ہیں بلکہ آپ کے شوہر کے بعد انہوں نے مجھے بچے کی طرح پالا ہے۔وہ مجھ سے سات سال بڑے ہیں اور مومن ابراہیم کا بس چلے تو وہ یہ سات سال ان پر سے وار دے۔مجھے ان سے محبت ہے لیکن وہ اس محبت سے کہیں زیادہ محبت انمول سے کرتے ہیں اور مومن ان کے لیے ایک چھوٹی سی قربانی نہ دے پاتا یہ کس کتاب کی تحریر ہے ماں؟ میں ان کی قربانیاں رائیگاں نہیں جانے دینا چاہتا۔میں اگر آج ان سے کہوں کہ مجھے فلاں شے چاہیے تو وہ اپنا آپ نچھاور کر کے مجھے لا کر دیں گے۔لیکن میں ایسا نہیں چاہتا اس دنیا میں رہنے کے لیے انسان کو اپنا دل مارنا پڑتا ہے اور میں اپنا دل ایک عرصہ ہوا مار چکا ہوں۔سو چِل ماں۔آپ کا بیٹا تنہا ہی اچھا ہے۔"صوفیہ ابراہیم نے شدت جذبات سے اس کی پیشانی چومی۔وہ مسکرا دیا۔

www.novelsclubb.com

"اٹھیں اب آپ چل کر آرام کر لیں۔" مومن نے ہاتھ بڑھا کر انہیں بھی اپنے ساتھ کھڑا کیا۔

"لیکن مجھے بھوک لگی ہے۔" مومن ابراہیم کی ماں اسی کی طرح معصوم تھیں۔

"آپ آرام کریں میں خود آپ کے لیے مزے دار سا کھانا بناتا ہوں۔" وہ انہیں لے کر کمرے کی جانب جا رہا تھا۔

"ماشاءاللہ میرا بیٹا تو کک بھی ہے۔"

"الحمدللہ۔" اس نے سر کو خم دیتے ہاتھ سینے پر باندھا۔

www.novelsclubb.com

ڈائننگ ہال میں معید سکندر اور ثانیہ بیگم بیٹھی کھانا کھا رہے تھے جب بالاج سکندر سیڑھیاں اترتا ان کی جانب آیا۔ وہ ایش گرے سوٹ میں ملبوس تھا۔ بال سلیقے سے سیٹ کر رکھے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ آج آفس کو اپنا دیدار کروانے والا ہے۔

"السلام علیکم۔"اس نے سلام کیا لیکن سامنے دونوں نفوس کھانے میں مگن تھے جیسے اسے دیکھا تک نہ ہو۔وہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

"بابا آج ہماری فارن پارٹی کے ساتھ میٹنگ ہے کیا آپ ہمیں جوائن کریں گے۔؟"لہجہ عام سا تھا۔معید سکندر نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا بلکہ فون نکال کر چند بٹن دبائے اور دوسری جانب جاتی گھنٹی سنتے رہے۔

"ہیلو عباد میں نے تمہیں کہا تھا کہ آج کی تمام میٹنگز کینسل کروادو۔کیا تم پھر سے بھول گئے۔؟"

"اچھا آج ہماری کوئی میٹینگ نہیں ہے۔؟ دیٹس گڈ۔اور ہاں لائر سے بات ہوئی تمہاری کب تک واپس پاکستان آجائے گا وہ۔"معید سکندر اپنے سیکرٹری سے مخاطب تھے۔ان کا آفیشل لائر اس وقت بیرونِ ملک تھا۔

"ہمم ٹھیک ہے آئندہ کوئی بھی ایرہ غیرہ میٹنگ رکھنے کا بولے تو اسے اس کے حقائق پڑھ کر سنا دینا۔ خدا حافظ۔" انہوں نے کال بند کی۔ اور دوبارہ کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔

"یہ سب کیا تھا بابا۔ اب آپ اپنے بیٹے کو غیروں میں شمار کرنے لگے ہیں۔" وہ بے یقین تھا۔

"ہمارا بیٹا چند دن پہلے کہیں کھو گیا ہے۔ یہ جو ہمارے سامنے کھڑا ہے نا یہ بالاج سکندر ہے ایک انا پرست مرد۔ بالاج تم نے تو ان مردوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا جو روز اپنی بیویوں کو اپنے ظلم کا نشانہ بناتے ہیں۔ ارے تم سے وہ لاکھ گنا بہتر ہیں جو بیویوں سے ہزار نالاں سہی پر انہیں باہر کی ہوا نہیں لگنے دیتے۔ نا جانے ہماری تربیت کہاں دفن ہو گئی ہے۔ یہ میرے بندھے ہوئے ہاتھ دیکھ لو بالاج سکندر ہمیں ہمارا بیٹا اور بہو لٹا دو۔" ثانیہ بیگم بالاج سے مخاطب ہوئیں۔ وہ چپ چاپ ان دونوں کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ اثبات میں سر ہلاتا باہر نکل گیا۔

مختلف سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے اس کا دل کیا یہ گاڑی کہیں ٹھوک دے لیکن وہ حرام موت گلے نہیں لگانا چاہتا تھا۔جیا سکندر کے جانے کا دکھ اسے اندر ہی اندر ختم کر رہا تھا۔

"کوئی سمجھتا کیوں نہیں ہے آخر میں کسے اپنا حال دل بیان کروں۔؟"اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ہر کوئی اسے غلط سمجھ رہا تھا۔وہ کیسے کسی کو بتاتا کہ وہ اندر سے کس ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہا تھا۔اس نے جیا پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کیا تھا اس کی حقیقت جو بے شک اس کا ماضی تھی اس نے بالاج سکندر کو بری طرح سے متاثر کیا تھا۔وہ انسان تھا دوسرے انسانوں کی طرح اسے بھی ہیلنگ کی ضرورت تھی۔ کچھ وقت لگنا تھا اسے ہیل ہونے میں۔

www.novelsclubb.com

اس کا دھیان فون کی بجتی گھنٹی کی جانب متوجہ ہوا۔سکرین پر گڑیا کالنگ لکھا جگمگا رہا تھا۔اس نے کال ریس کرتے فون کان سے لگایا۔

"السلام علیکم منہا کیسی ہو۔؟"اس نے اپنا لہجہ حتی الامکان درست کرنے کی کوشش کی۔

"واعلیکم السلام بھائی۔یہ میں کیا سن رہی ہوں۔آپ نے جیا کو۔۔"اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ کال کاٹ چکا تھا۔اس کی بہن بھی اسے غلط کہہ رہی تھی۔

"آآآ۔!"اسٹیرنگ وہیل پر جمے اس کے ہاتھوں کی نسیں ابھر رہی تھی۔وہ اس وقت ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔وہ کسی سے اپنا دکھ شئیر نہیں کر سکتا تھا وہ کسی کو اپنا درد بیان نہیں کر سکتا تھا۔بھائیوں جیسا دوست وہ آج سے اٹھارہ سال پہلے کھو چکا تھا۔اس کے بعد نہ کوئی اس کا دوست بنا نہ ہی بھائی۔وہ تنہا تھا اس دنیا میں تنہا آیا تھا تو اسے رہنا بھی تنہا ہی تھا۔

وہ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ سامنے سے کوئی شے اڑتی ہوئی آ کر اس کے چہرے پر لگی تھی جسے وہ بروقت کیچ کر گیا۔ سامنے ہی وہ بیڈ پر بپھری بیٹھی ہوئی تھی۔ اس پر حملہ آور شے پلو تھا۔

"میں کسی افریقہ کے جنگل میں تو نہیں گھس آیا۔؟" اس نے کان کی لو کھجائی۔ ناجانے کیوں لیکن آج اس کی شامت پکی تھی۔

"نہیں میرے مجازی خدا آپ افریقہ کے جنگل میں نہیں بلکہ انمول ملک کے چنگل میں پھنس چکے ہیں۔"

"ہاہاہا۔" اس سے پہلے انمول مزید کوئی وار اس پر کرتی وہ اپنے دایاں کان پکڑ گیا۔

"آئی ایم سوری۔" وہ کان پکڑے کھڑے اس سے معافی مانگتے ہوئے بہت کیوٹ لگ رہا تھا۔ لیکن یہ وقت انمول کے لیے نرمی دیکھانے کا نہیں تھا۔

"ہنہہ۔کہاں تھے تم پچھلے تین دنوں سے۔؟میں پوچھتی ہوں کون ہے وہ۔؟"انمول لڑاکا عورتوں کی طرح کمر پر ہاتھ رکھے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ملک کو حیرت کے سمندر میں غوطہ زن کر کے وہ جواب کی منتظر کھڑی تھی۔

"وہ کون۔؟"ملک نے پوچھا۔

"وہی جس کے پاس جا کر تمہاری مصروفیات طویل ہو جاتی ہیں۔"وہ طنزیہ گویا ہوئی۔ہاتھ سینے پر باں دھ لیے۔

"میری ہر مصروفیت کی وجہ تو آپ ہیں۔سب آپ سے شروع اور آپ پر ختم۔نہ کوئی دوسرا نہ تیسرا۔"اس نے انمول کو کندھوں سے تھامے خود کے قریب کیا۔ انمول کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

"جھوٹے ہو تم۔"

"ادھر دیکھیں میری طرف مجھے آج تک کسی دوسرے کا خیال نہیں آیا اور نہ ہی آئے گا اس قدر چاہا ہے میں نے آپ کو۔" ملک کی آواز شیریں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"مم۔ میں بہت ڈر گئی تھی ملک۔ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں شاید زندہ نہ رہ پاتی۔ میرے جینے کی وجہ تو تم ہو۔" وہ ایک دم سے سسکتے ہوئے اس کے سینے سے جا لگی۔ وہ ایک بار پہلے بھی اس کے گلے لگی تھی لیکن تب اور آج میں فرق تھا۔ ملک نے اس کے بال سہلائے۔ دور اندر اس کا دل کانپ گیا تھا۔ اگر اس کی وجہ سے انمول کو کچھ ہو جاتا تو؟

"آپ کہیں تو اپنی ہر آتی جاتی سانس بھی آپ کے پاس گروی رکھوا دوں۔ جس پر ہر اختیار اور طاقت صرف آپ کی ہو زوجہ۔ اب سے یہ جان بہت انمول ہو گئی ہے کیونکہ یہ آپ کے جینے کی وجہ ہے۔" وہ اپنی ٹھوڑی اس کے سر پر ٹکائے ہوئے تھا۔

ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ اسے منا چکا تھا۔اور وہ ہمیشہ کی طرح مان چکی تھی۔انمول کا روٹھنا حق تھا تو ملک کا منانا فرض تھا۔

"آئندہ تم کچھ ایسا نہیں کرو گے جس سے تمہیں تکلیف ہو۔" وہ آرڈر دے رہی تھی۔ملک نے اثبات میں سر ہلایا۔

"نہ ہی کوئی بات چھپاؤ گے مجھ سے۔" وہ پیچھے ہٹی اور انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

"کھلی ہوئے کتاب کی طرح آپ پر آشکارا ہو جاؤں گا۔" وہ اس کی ہر بات پر سر ہلا رہا تھا۔انمول مسکرا دی۔وہ شخص اسے سکون بخشتا تھا۔

"ملک۔" وہ فکر مندی سے گویا ہوئی۔

"جی زوجۂ ملک۔" استحقانہ انداز۔

"کوئی پریشانی ہے کیا؟ تمہاری آنکھیں اداس ہیں۔یہ تمہاری مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دے رہیں۔" ملک گہری سانس بھر کر رہ گیا۔وہ عورت اس کی بیوی تھی اس

سے وہ کوئی بات نہیں چھپا سکتا تھا۔ پچھلے تین دنوں کی ساری کتھا وہ اس کے سامنے بیان کر رہا تھا۔اور وہ غور سے اسے سن رہی تھی۔ جہاں محبت ہو وہاں یقین اسے انمول نے تھمایا تھا۔

وہ دھلے دھلائے چہرے کے ساتھ کمرے سے باہر نکلی تھی۔اوپن کچن میں مومن ابراہیم کھڑا کٹنگ بورڈ پر کچھ کاٹ رہا تھا۔اس نے ایک نظر بسمہ کو دیکھا اور دوبارا اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ بسمہ فریج کے قریب آئی۔ پانی کی بوتل نکال کر گلاس میں پانی پیا اور پھر مومن کو دیکھنے لگی۔ وہ سبزیاں کاٹنے کے ساتھ چولہے پر رکھی ہنڈیا کا بھی خیال کر رہا تھا۔ چہرے پر نولفٹ کا بورڈ لگا ہوا تھا۔

"میں کوئی مدد کروادوں؟" وہ زیادہ دیر چپ نہ رہ سکی۔ مومن ابراہیم کی خاموشی اسے بہت کھٹکتی تھی۔ ہمیشہ۔

"واہ آج سورج کہاں سے طلوع ہوا ہے جو بسمہ شارق اپنی مدد کی آفر ہمیں کر رہی ہیں۔؟" وہ طنزیہ گویا ہوا۔

"جب لڑکا اتنا ہینڈسم ہو گا تو کون کمبخت اپنی مدد کی آفر نہیں کرے گا۔" وہ ہنس کر کہہ گئی۔ مومن نے اسے سخت نگاہوں سے گھورا۔

"مائنڈ یور لینگویج مس بسمہ۔" وہ چھری کٹنگ بورڈ پر پٹختا چولہے کی جانب متوجہ ہوا۔ بسمہ آگے بڑھ کر پیاز کاٹنے لگی جو ابھی مومن آدھے ادھورے چھوڑ کر گیا تھا۔

"انسان میں اتنی نازک مزاجی بھی نہیں ہونی چاہیئے۔" مومن نے اس کے سوں سوں کرنے پر چوٹ کی۔ لیکن بسمہ نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ پیاز کاٹنے کی وجہ سے اس کی آنکھیں دھندھلا رہی تھیں۔ آنکھوں کے سامنے چھاتا پانی اس کے کام میں رکاوٹ پیدا کر رہا تھا۔

"آؤچ۔"ان دیکھی میں وہ تیز چھری سے اپنے بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کاٹ چکی تھی۔مومن فوراً سے پلٹا۔

"یہ کیا کیا بیوقوف لڑکی!"اس نے بسمہ کا ہاتھ پکڑا جہاں سے خون بہہ رہا تھا۔وہ اسے سنک تک لے جاتے دھونے لگا۔اس کے ہر انداز میں فکر تھی۔

بسمہ کو درد ہو رہی تھی لیکن وہ خاموشی سے مومن کو دیکھتی رہی۔

"زخم کافی گہرا ہے"مومن نے اسکی انگلی اپنے ہاتھ میں دبائی۔خون رک گیا لیکن چھوڑے جانے پر وہ پھر سے بہنے لگتا۔آخر کچھ دیر بعد وہ رک چکا تھا۔کوئی کہہ سکتا تھا کہ وہ لڑکی مارشل آرٹس سے تعلق رکھتی ہے۔اتنا نازک پن۔

"دھیان کہاں تھا تمہارا آخر؟"وہ اس کے زخم پر پھونک رہا تھا۔لیکن وہ پھر بھی کچھ نہ بولی۔مومن خود کو اس کی نظروں کے حصار میں محسوس کر سکتا تھا۔

"اوہ ہیلو۔یوں ندیدوں کی طرح کیوں مجھے تاک رہی ہو۔کیا کبھی کوئی اتنا پیارا لڑکا نہیں دیکھا۔؟"مومن کی تیز آواز پر اس کا سکتہ ٹوٹا۔وہ شرمسار ہوئی لیکن وہ بسمہ شارق تھی۔

"ہینڈسم تو بہت دیکھے ہیں لیکن اتنا پیارا لڑکا ایک واحد ہی ہے"اس نے اپنا ہاتھ مومن کی گرفت سے آزاد کروایا۔زخم پھر سے درد کرنے لگا تھا۔نا جانے اس کے ہاتھ میں ایسا کیا جادو تھا جو درد کچھ پل کے لیے ہی سہی لیکن رک چکا تھا اور اب پھر سے زخم میں درد کی ٹیس اٹھنے لگی تھی۔

"لو یہ لگالو۔"مومن نے ایک ٹیوب اس کی جانب بڑھائی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے یہ زخم تو خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے بھلا جسمانی زخم بھی روح پر لگے گھاؤ سے زیادہ تکلیف دہ ہو سکتے ہیں۔"بسمہ نے نفی میں سر ہلایا۔

www.novelsclubb.com

"لیکن یہ تمہیں اذیت دیں گے۔زخموں کو زیادہ دیر تک کھلا نہیں چھوڑنا چاہیے ورنہ یہ ناسور بن جاتے ہیں جتنی جلدی ہو سکے ان پر مرہم لگا لینی چاہئیے۔" وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا۔بسمہ نے اس کے ہاتھ سے ٹیوب نہیں پکڑی۔

"اور اگر کوئی مرہم رکھنے والا موجود نہ ہو تو۔؟" وہ سوال کر گئی۔لیکن اسے یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ اس نے ہمیشہ اپنے زخموں کو کریدتے خود کو تکلیف سے دوچار کیا تھا۔اس کے پاس کوئی شخص نہ تھا جو اس کی حالت پوچھ سکتا۔تو وہ کیوں اتنا نرم بن رہا تھا اور کیوں وہ اس کے سحر میں جا رہی تھی۔؟

"تو خود اپنے زخموں پر مرہم لگانا سیکھ جاؤ۔" مومن نے اس کے دائیں ہاتھ میں وہ ٹیوب تھمائی۔بسمہ کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی۔اس نے سرد سانس اندر کھینچی۔

"یہ زخم بہت جلد ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔بس کچھ پل، کچھ دن کی اذیت اور پھر وہ مندمل ہوتے ہوئے ختم ہو جاتے ہیں۔کیونکہ یہ ظاہری طور پر بہت کچے ہوتے

ہیں۔"اس نے ٹیوب سے تھوڑی سی مقدار میں سفید رنگ کی مرہم نکالی اور زخم پر لگائی۔ جلن بڑھنے لگی۔

"انسان کو خود سے محبت ہونی چاہیے۔اگر تمہیں خود سے محبت ہوتی تو کبھی خود کو اذیت نہ دیتی بلکہ اپنی تکلیف کو دور کرتی۔یہ جسم یہ روح اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اسے سوئی سے چھونے کا بھی حق نہیں ہمارے پاس۔"وہ واپس اپنے کام کی جانب متوجہ ہوا۔بسمہ سر جھٹکتی اپنے کمرے میں جانے لگی۔اسے تنہائی چاہیے تھی۔ رونے کے لیے۔دل کا غبار نکال کر اسے ہلکا کرنے کے لیے۔اسے تنہا رہنا پسند تھا۔

"بسمہ۔"مومن کا انداز سنجیدہ تھا۔وہ پلٹی نہیں بس ہمم کہہ کر اسے بولنے کا اشارہ کیا۔ایک ہاتھ انگلی کے زخم پر گردش کر رہا تھا۔

"اپنی سیاہی کو اتنا مت پھیلاؤ۔انسان غلط ہوتے ہیں اور جو غلط نہیں ہوتے وہ انسان نہیں ہوتے۔دنیا کا سائیکل ایسے ہی چلتا ہے۔ کبھی خود کو اپنی سیاہی میں مت گھلنے دینا ورنہ یہ تمہیں سر تا پیر سیاہ بنا دے گی۔ایسے انسان کی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔یاد

رکھنا۔"مومن نے جلتے پیازوں میں پانی کا چھڑکاؤ کیا۔شرر کی آواز کچن میں ہر سو پھیل گئی۔بسمہ وہاں سے بھاگ کر اپنے کمرے میں آئی۔فون اٹھایا اور واٹس ایپ کھولا۔وہاں چیٹ لسٹ میں سب سے اوپر ایک میسج جگمگا رہا تھا۔

"اگر تو تم چاہتی ہو وہ اپنی زندگی جیے۔۔۔۔"اس سے آگے کا پیغام چیٹ کے اندر موجود تھا اس نے وہ پیغام کھول کر نہیں دیکھا تھا۔دور اندر وہ اس پیغام کا مفہوم اور مطلب سمجھتی تھی۔اب وقت تھا کہ جواب دیا جاتا۔ وہ خود غرض ہو رہی تھی۔ خیر آج کی دنیا میں تو ہر بندہ خود غرض ہے۔اس کی سیاہی اس کے ناخنوں سے جڑ پکڑ رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

بوجھل قدم کبھی انسان کو آگے نہیں بڑھنے دیتے۔بوجھ زنجیر کی طرح انہیں زندگی کی ہر دوڑ میں جکڑ کر منہ کے بل گرا دیتا ہے۔اور اگر یہ بوجھ دل پر پڑ جائے تو دل کو بنجر کر دیتا ہے۔ایسے بوجھ کو دل پر حاوی نہیں ہونے دینا چاہیے۔وہ بھی اس

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

وقت بوجھل قدموں سے جہانداد ملک کی حویلی میں داخل ہوا تھا۔اسے آج یہ حویلی پرائی معلوم ہوئی۔وہ آگے بڑھتا ہوا ایک کھلے سے دالان میں آرکا۔وہیں پر جہانداد ملک ادھر سے ادھر ٹہل رہے تھے۔اس نے آنکھوں میں سرخی لیے انہیں دیکھا۔

"یہ کوئی وقت ہے گھر آنے کا۔؟فون کہاں پر ہے تمہارا کتنی کالز کی ہیں میں نے تمہیں کوئی احساس ہے۔"احساس کی بات کون کر رہا تھا جو دوسروں کے دل گدھ کی طرح نوچ کھاتا تھا۔

"مر نہیں گیا تھا میں زندہ سلامت آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔بتائیں اب کون سا کام پر گیا آپ کو مجھ سے۔"وہ سرد مہری سے بولا۔جہانداد ملک نے اس کی آواز صاف محسوس کی تھی۔لیکن وہ انجان بنے رہے۔

"ہاں ایک ضروری کام ہے مجھے تم سے۔ندیم دار اکا پتا لگوانا ہے وہ کہاں ہے اور کیوں ہے یہ سب تم بتاؤ گے مجھے۔ جتنا جلدی ہو سکے یہ کام کرو۔" وہ حکم دے رہے تھے۔وہاج کی آنکھوں میں شرارے پھوٹنے لگے۔

"میں آپ کا ملازم نہیں ہوں۔یہ کام آپ کے چیلوں کے کرنے والے ہیں۔" اس کی بد تمیزی پر جہانداد ملک بل کھاتے رہ گئے۔

"ملازم نہیں لیکن بیٹے ہو تم میرے۔"

"بد قسمتی سے۔" اس نے آنکھیں گھمائیں۔

"کیا کہا؟ دوبارہ کہنا ذرا۔" ان کی بات پر وہاج کا دل کیا جیب سے وہ لفافہ نکال کر ان کے منہ پر مارے لیکن وہ ابھی جہانداد ملک کے منہ نہیں لگنا چاہتا تھا۔

"میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔" وہ تنبیہہ کرتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ جہانداد ملک کی حیرانی بجا تھی۔ ان کی اولاد نے آج تک ان سے بدتمیزی نہیں کی تھی تو آج کیا وجہ بنی تھی؟ وہ سوچنے لگے۔

انہوں نے ایک مرتبہ پھر سے ندیم کا نمبر ٹرائی کیا لیکن آگے سے جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔

"کیا مصیبت ہے۔" انہوں نے زور سے موبائل صوفے پر دے مارا۔ ندیم ان کا فون نہیں اٹھا رہا تھا اوپر سے سونے پر سہاگا کہ وہ حویلی بھی نہیں آیا تھا نہ ہی اس کی لوکیشن کا کوئی سراغ مل رہا تھا۔ اب انہیں اپنے نئے بندے کام میں لانے تھے۔ ان کے پاس غلاموں کی کمی نہیں تھی۔

"ہیلو۔ تمہیں ایک آدمی کا نام اور ضروری معلومات شئیر کی ہیں۔ کل تک مجھے اس کے پیدا ہونے سے لے کر اب تک کی تمام ہسٹری چاہیے۔" وہ اپنے بندے کو فون

کال پر نئے کام سے نواز رہے تھے۔وہ ہر شے سے لاعلم تھے۔اور لاعلمی سب سے بڑا عذاب ہے۔

وہ مومن کو کال پر گھر آنے کا بول چکی تھی۔اسے فریال اور باجوہ سے ملنے سینٹر جانا تھا۔وہ آج بہت دنوں بعد ان دونوں سے ملنے جانے والی تھی۔اکیلی جا نہیں سکتی تھی لہذا اس نے مومن کو فون کیا۔اور وہ ایک ہی بار کہنے پر مان چکا تھا۔وہ اپنے کمرے میں کھڑی ہینڈ بیگ میں تڑوڑ مڑوڑ کر کوئی فائل ٹھونس رہی تھی۔سرخ جلد والی فائل اس بیگ کے سائز سے تھوڑی بڑی تھی لیکن وہ اسے یوں سرعام نہیں لے کر جا سکتی تھی۔وہ آج مکمل سیاہ لباس میں ملبوس تھی۔شیشے میں اس نے اپنا چہرہ دیکھا۔بے داغ اور صاف شفاف سفید رنگت۔لیکن وہاں کچھ تھا۔ڈر اور خوف۔

اس نے تین پُر سکون سانس لے کر خود کو ریلیکس کیا اور باہر نکل آئی۔انمول کچن میں کھڑی اپنا ناشتہ تیار کر رہی تھی یا شاید کر چکی تھی۔

"ناشتہ چاہیے۔بنا دوں؟" وہ بولی۔بسمہ نے نفی میں سر ہلایا۔گھر پر ان دونوں اور صوفیہ ابراہیم کے علاوہ کوئی نہ تھا۔صوفیہ اپنے کمرے میں تھیں۔

"اتنی جلدی میں کہاں جا رہی ہو۔؟" اس نے بسمہ سے استفسار کیا۔

"فریال کی طبیعت نہیں ٹھیک تھی ں ماں تو اس لیے سینٹر جا رہی ہوں۔" وہ جلدی سے بولی۔

انمول چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔وہ بار بار موبائل دیکھ رہی تھی۔مومن نے کہا تھا کہ وہ پہنچ کر میسج کرے گا۔ پھر وہ پانی کا گلاس پکڑے اس کی جانب آئی۔بسمہ نے غٹا غٹ پانی کا گلاس پیا۔انمول اب صحیح معنوں میں پریشان ہوئی تھی۔

"اپنا سانس درست کر کے گھر سے نکلا کرو بسمہ۔" وہ نصیحت کر رہی تھی۔ بسمہ نے ناسمجھی سے اسے تکا۔

"ہمارا سانس ہمیں پُر سکون رکھنے کا کام انجام دیتا ہے۔ اگر یہ درست نہ ہو تو انسان بوکھلایا رہتا ہے۔ دنیا میں ستر فیصد ایکسیڈنٹ پریشانی اور ہڑبڑی میں ہوتے ہیں۔ سانس اوپر اور نیچے ہونے کی صورت آپ کی جان لے سکتی ہے۔" وہ کہہ کر خاموش ہوئی۔ بسمہ اس کا خوبصورت چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"آپ بہت اچھی ہیں ملک سر بہت لکی ہیں۔" اس کی بات پر انمول مسکرا دی۔ وہ اسے کیسے بتاتی کہ اس سے زیادہ خوش قسمت تو وہ خود تھی۔

"ملک میرے نصیب میں تھا بسمہ اور مجھے اپنی محبت پر فخر ہے۔"

"آپ خود کو خوش قسمت کہہ رہی ہیں لیکن اس بدقسمت کا کیا جو آپ کو جوے کی مانند ہار گیا۔ اصل خسارہ گر تو وہ ہے۔" وہ دل میں بولی۔

"کیا محبت انسان کو مغرور بنا دیتی ہے۔"اس کے دل نے صدا لگائی اور جواب ہاں میں آیا تھا۔

"آپ ملک سر سے بہت محبت کرتی ہیں ناں۔؟"وہ مسکرا کر بولی۔انمول نے نفی میں سر ہلایا۔

"محبت نہیں عادت ہے اور یقین مانو عادت سے بڑا نشہ اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔اور یہ عادت میری رگوں میں سرائیت کرتی ہے۔"انمول جذب کے عالم میں بولی۔بسمہ سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔انمول کو پریشانی لاحق ہوئی۔

"میں نہیں جانتی تمہاری پریشانی کی اصل وجہ کیا ہے لیکن میں تمہاری خوشیوں کی تمنا کروں گی۔"بسمہ استہزایہ ہنسی۔

"انمول آپ نے کہا تھا میری اور آپ کی کہانی ایک سی ہے۔لیکن در حقیقت ایسا نہیں ہے۔"

"کیسے۔؟دیکھو پانچوں انگلیاں بے شک برابر نہیں ہوتیں لیکن ان کی بیس (Base)یعنی ہتھیلی ایک ہی ہوتی ہے۔"وہ صحیح کہہ رہی تھی جیسے مسلمان ہوتے ہوئے ہم انسانوں میں فرقہ واریت آجاتی ہے۔ہاتھ کی مثال بھی ایک ایسی ہی ہے۔

"آپ کی اور میری زندگی بہت مختلف ہے آپ نے جسے چاہا اسے پالیا لیکن جسے میں چاہتی ہوں وہ تو کسی اور کو چاہتا ہے۔کتنی خوش قسمت ہو گی ناں وہ لڑکی جسے وہ چاہتا ہے۔اور ایک میں ہوں سدا کی بد قسمت جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ میرا نہیں ہے پھر بھی اس پر مرتی ہوں۔میری عقل میرے ساتھ نہیں ہے شاید۔"بسمہ کی بات انمول کے دل پر لگی تھی۔وہ تھوڑی کھسیانی ہوئی۔

"اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے۔"بات ختم ہو چکی تھی۔کہنے کو کچھ بچا ہی نہ تھا۔نہ بسمہ مزید سوال کر سکتی تھی نہ انمول میں جواب دینے کی سکت باقی تھی۔وہ اسے اس بات کا جواب نہیں دے پائی تھی۔

www.novelsclubb.com

بسمہ کے موبائل پر بیپ ہوئی۔ مومن نیچے پارکنگ ایریا میں موجود تھا۔ وہ انمول کو خدا حافظ کرتی باہر نکل گئی۔ لیکن انمول اپنی جگہ جم چکی تھی۔ اس کا ناشتہ بھی سارا دھرا کا دھرا رہ گیا۔ دل ہر شے سے اچاٹ ہو گیا۔

اضطراب، دکھ اور صدمہ اس پر ایک ساتھ حملہ آور تھے۔ وہ تذبذب کا شکار ہوتا فون کان سے لگائے ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہا تھا۔

"پلیز کال اٹھاؤ عالیہ۔ پلیز" وہ جھنجھلا کر بولا لیکن کال دوسری جانب سے کاٹ دی گئی۔

www.novelsclubb.com

"عالیہ!!!" وہ دباد باسا غرایا۔ دوبارہ کال ملائی تیسری بیل پر وہ اٹھالی گئی۔

"کہاں مر گئی تھی تم۔ کال کیوں نہیں پک کر رہی۔؟" وہ چھوٹتے ہی گویا ہوا۔

"دیکھو وہاج ملک۔میری اپنی بھی کوئی پرسنل لائف ہے میں کوئی تمہاری زر خرید غلام نہیں ہوں جو پہلی کال پر ہی فون کان سے لگائے بیٹھی ہوں۔" وہاج کا غصہ سوا نیزے پر جا پہنچا۔

"عالیہ جعفری کون سی مصروفیت ہاں۔بالاج اور جیا کی سیپریشن کروا کر تو تمہیں ہر فکر سے آزاد ہونا چاہیے۔بلکہ تم ہو گی اور یہاں ایک میں ہوں جس کا انگ انگ دکھ رہا ہے" وہ صدمے سے بولا۔اپنی تکلیف وہ بھولا نہیں تھا۔

"واٹ! سیپریشن۔؟کیا کہہ رہے ہو؟میں نے کیا کیا ہے؟" وہ چلائی۔وہاج نے کانوں میں انگلیاں ٹھونسی۔

www.novelsclubb.com

"آہستہ نہیں بول سکتی کان کا پردہ پھاڑ دیا تھا تم نے۔اور تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں اتنا بچہ ہوں جو تمہاری چالاکی نہیں سمجھوں گا۔" عالیہ نے ناسمجھی سے فون کو گھورا۔وہ کیا بول رہا تھا۔

"میں کیا کیا ہے وہاج مجھے پتہ تو چلے۔؟"

"کیا تم نے بالاج کو جیا اور میری پکس نہیں بھیجیں۔؟" وہاج نے تحمل سے پوچھا۔

"نہیں وہاج میری ماں یہاں بیمار پڑی ہے بہن کے سسرال والوں نے انہیں ٹانگ کر رکھا ہے اور اوپر سے۔۔" وہ بولتی بولتی خاموش ہوئی۔

"اوپر سے کیا۔؟" وہاج کو تجسس نے آن گھیرا۔

"میرے رشتے والے آئے تھے وہ جلد از جلد نکاح چاہتے ہیں۔ لیکن میں یہ نکاح نہیں کرنا چاہتی۔" وہ رونے کے قریب تھی۔

"تو مت کرو۔ انکار کر دو۔ کوئی بھی تم پر زور زبردستی نہیں کر سکتا۔ عاقل اور بالغ کے لیے اپنا آپ کافی ہوں ہا چاہیے۔" وہ بول رہا تھا۔ عالیہ نے صدمے سے موبائل دیکھا کیا تھا وہ شخص؟ اتنی آسانی سے وہ انکار کا بول رہا تھا۔ کیا وہ مشرقی لڑکیوں سے واقف نہ تھا۔ وہاج ایک پل کو اپنا مسلہ بھول چکا تھا۔

"ہاں اور جیسے میرے ماں باپ تو فوراً مان جائیں گے ناں۔ میرے بابا میرے جسم کی بوٹی بوٹی کر کے کتوں کو کھلا دیں گے۔" اس کا مسلہ زیادہ بھاری تھا۔

"ہاہاہا۔ کتے انہیں ابراٹیسٹ نہیں کھاتے۔" عالیہ نے لمبا سانس لیا۔

"وہاج ملک میں نے کوئی تصاویر بالاج کو نہیں بھیجیں اور ویسے بھی میں گواپ کرنا چاہتی ہوں معافی مانگ کر معاملہ رفع دفعہ کرنا ہے بس۔" اب کی بار وہاج کو جھٹکا لگا۔ کیا کسی شخص پر گواپ کرنا اتنا آسان ہوتا ہے؟

"تو تم ہار مان رہی ہو۔؟" عالیہ نے لب کاٹے۔

"میں نے سب کچھ کر کے بھی دیکھا ہے لیکن وہ شخص میرا نہیں ہو پایا۔ اب ہمیں اپنے فیصلے تقدیر کے سپرد کر دینے چاہییں۔" وہاج نے توصیفی آبرو اٹھائے۔ وہ لڑکی آج سمجھداری کی باتیں کر رہی تھی۔

"صبح کا بھولا اگر شام کو گھر واپس لوٹ آئے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہتے۔" عالیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ واقعی میں گواپ کر کے خوش تھی۔ ہمیں زندگی میں بہت سے مواقع پر لاحاصل شے کے لیے گواپ کرنا پڑتا ہے۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہماری زندگی ختم ہو گئی ہو۔ امید لگا کر زندگی کو ہرا بھرا بنایا جا سکتا ہے۔

"سنو۔"

"ہمم۔" وہ بالکنی کے دروازے میں آ کھڑا ہوا۔ سامنے حویلی کا عقب تھا وہاں ملک رہتا تھا لیکن وہ پچھلے کچھ عرصے سے وہاں نہیں تھا۔ حویلی کا ہر پودا ہر تنکا جیسے مرجھا گیا تھا اس کے بغیر۔

www.novelsclubb.com

"کیا تم مجھ سے نکاح کرو گے۔؟" سپیکر سے عالیہ جعفری کی آواز ابھری۔ وہاج ملک اپنی جگہ ہل کر رہ گیا۔

"شادی کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا۔؟"

"شٹ اپ! وہاج میں سیریس ہوں میری ماں موت اور زندگی کی جنگ لڑ رہی ہے۔ وہ اپنی دونوں بیٹیوں کو خوش دیکھنا چاہتی ہے لیکن میرے رشتہ جس شخص سے طے کیا جا رہا ہے وہ مجھ سے عمر میں بہت بڑا ہے اوپر سے اس کا اتنا بڑا خاندان۔" عالیہ نے تفصیل بیان کی۔

"تو کیا میرے ساتھ خوش رہ لو گی۔؟"

"اگر اللہ نے چاہا تو انشاءاللہ۔" وہاج کی گرفت موبائل پر مضبوط ہوئی۔

"میں تمہیں سوچ کر جواب دوں گا خر دماغ نہیں ہوں جو جانتے بوجھتے آگ کے دریا میں کود جاؤں۔" عالیہ کے ہنہہ کی آواز سنائی دی۔ وہ مسکرایا۔

"اگر وہ تصاویر تم نے سینڈ نہیں کی میں نے نہیں کی تو کس نے پہنچائی وہ تصاویر بالاج کے پاس۔" اندازہ اور سراغ ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل رہا تھا۔

"حریم ناز تم اسے کیسے بھول گئے وہاج ملک۔" وہاج کو لگا جیسے اسے تپتی دوپہر میں چھایا مل گئی ہو۔اس نے ایک پل کی دیری کیے بنا کال بند کی۔

"کھڑوس۔" عالیہ نے اسے نئے لقب سے نوازا۔

دوسری جانب وہاج ملک کا ہاتھ کانٹیکٹ لسٹ کھنگال رہا تھا۔ حریم ناز کے نام پر انگوٹھا رکھا۔ بیل جانے لگی۔ کچھ دیر بعد کال اٹھائی گئی۔

"بولو۔" نہ سلام نہ دعا پھاڑ کھانے والا لہجہ۔

"کہاں ہو تم۔؟" وہاج نے بھی سارا لحاظ بالائے طاق رکھ دیا۔

"کیوں فون کیا ہے۔؟"

"بالاج سکندر کو تم نے تصویریں کس سے پوچھ کر سینڈ کی تھیں۔" وہ مطلب کی بات پر اتر آیا۔ بات کو طول دینا اسے پسند نہیں آ رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

"میں نے؟ آر یو ان یور سینسز مسٹر وہاج۔ میں یہاں مر رہی ہوں اور تمہیں لگتا ہے کہ میں دوسروں کے جھمیلوں میں پڑوں گی۔" وہاج نے کنپٹی سہلائی۔

"اب تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے۔؟" تھکا ہوا لہجہ۔

"میرے ایکس ہز بینڈ نے میرے بیٹے کی کسٹڈی کے کیے مجھ پر کیس کر دیا ہے۔"

"واٹ! بیٹا؟" وہاج پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

"ہا۔ ہاں وہ میرے ایکس ہز بینڈ۔۔" وہاج نے اس کی بات کاٹ دی۔

"واہ حریم ناز واہ۔ تم تو ایک بچے کی ماں ہوتے ہوئے بھی بالاج سکندر کے خواب دیکھ رہی ہو اور ایک وہ ہے جو ایک ہی وار پر گواپ کر گئی۔" وہاج کے ذہن میں عالیہ کا عکس لہرایا۔ وہ دونوں بٹلرز کیفے میں بیٹھے تھے۔ اور وہ بول رہی تھی۔

"وہ کون؟"

www.novelsclubb.com

"تم سے مطلب۔ باجی آپ اپنے گھر والوں پر دھیان دیں تو بہتر ہو گا۔" وہاج نے اسے تپا کر کال کاٹی۔ حریم پیچ وتاب کھاتی رہ گئی۔

"اگر تصویریں میں نے نہیں سینڈ کیں۔ عالیہ اس معاملے سے دور ہے اور حریم کو کچھ معلوم نہیں تو آخر یہ تیسرا شخص ہے کون۔؟" وہ تانے بانے بن رہا تھا۔ وہ معلوم کروانا چاہتا تھا۔ اسے چین نہیں آنا تھا۔ تبھی اس کے دماغ میں روشنی کا کوندا لپکا۔ ذہن روشن ہوا تھا۔

"مجھے ندیم دار اسے ملنا ہے۔" واٹس ایپ پر ملک کے ہاں پیغام چھوڑا۔

"اوکے۔" کار پلائی بہت جلدی آیا تھا۔ وہاج کا دل ہر بوجھ سے آزاد تھا۔ وہ اپنا اصل جان چکا تھا۔ ضمیر سے بوجھ ہٹ چکا تھا۔ اب بس اسے ایک کام کرنا تھا معافی۔ ہاں معافی۔ جس گناہ کا وہ مرتکب ہونے جا رہا تھا اس گناہ کی معافی۔

اور عالیہ جعفری؟ کیا وہ اسے اتنی اہمیت دیتا تھا کہ اس سے نکاح کر لیتا۔ لیکن کیا معلوم نکاح کرنے سے سب ٹھیک ہو جائے۔؟

وہ عالیہ کو سوچ رہا تھا۔ کیونکہ وہ اسے نیم رضامندی دکھا چکا تھا۔ اسے اس سب کے لیے لاہور جانا تھا لیکن اس سب سے بھی پہلے اسے ندیم دار اسے ملنا تھا۔

سوال اس کے ذہن میں گردش کر رہے تھے کہ آخر ان تینوں کے علاوہ وہ چوتھا نفوس کون تھا۔؟

دن کے بارہ بجے کے قریب کا وقت تھا۔ آسمان آگ اگل رہا تھا ایسی ہی گرمی گاڑی کے اندر بھی چھائی ہوئی تھی۔ جس سے بچنے کو گاڑی میں اے سی چل رہا تھا۔ مومن ابراہیم کے ہاتھ سٹیرینگ وہیل پر تھے۔ اور بسمہ شارق کی نظریں اپنے ہاتھوں پر۔ اس کے ہاتھوں تلے اس کا ہینڈ بیگ تھا۔ وہ اسے خود سے دور نہیں کر سکتی تھی۔

وہ اب تک ریلیکس ہو گئی تھی۔ اس نے اپنا سانس درست کر لیا تھا۔

"تمہارے باپ کی کیا کہانی ہے؟" مومن کی آواز گاڑی کی ساکن فضا میں گونجی۔ بسمہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ اس کے باپ کی بات کیوں کر رہا تھا۔؟

"سب جانتے ہوئے بھی تمہیں پوچھنے کی بیماری ہے۔" وہ دوبدو جواباً بولی۔

"دو سال ہی سہی لیکن تم سے بڑا ہوں تمیز سے بات کیا کرو۔" مومن کو اس کا انداز غالباً بھایا نہیں تھا۔

"تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔" وہ اپنا رخ کھڑکی کی جانب موڑ گئی۔

گاڑی ایم ایس مارشل آرٹس سینٹر کے باہر رکی تھی۔ جب مومن ابراہیم کی آواز پر وہ متوجہ ہوئی۔

"واپسی پر میرا انتظار کرنا۔اکیلے باہر مت نکلنا۔"بسمہ نے اثبات میں سر ہلایا اور باہر چل دی۔مومن کی نظروں نے اس کا سینٹر کے اندر داخل ہونے تک پیچھا کیا تھا۔

اچانک اس کا موبائل بزر ہوا۔

"ہیلو کون۔؟"نمبر انجان تھا کوئی۔

"اتنی جلدی مجھے بھول بھی گئے۔؟"مصنوعی حیرانی۔

"اوہ تو مسٹر شارق کبیر کیسے فون کیا آپ نے؟"مومن نے سیٹ کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائی۔

"میری ڈیل کے بارے میں کیا سوچا تم نے۔بسمہ شارق یا دولت میں سے کس کا سودا عزیز ہے تمہیں۔"وہ اپنی ڈیل کی بابت استفسار کر رہے تھے۔اس کا مطلب وہ بھولے نہیں تھے انہیں ان دونوں میں سے کوئی ایک چاہیئے تھا۔

"دولت بسمہ شارق سے زیادہ عزیز نہیں ہے۔" وہ بولا۔دوسری جانب شارق کبیر نے اونچا سا قہقہہ لگایا۔

"دیکھو لڑکے مجھے ابھی اور اسی وقت جواب چاہیئے۔"

"میں تمہیں بتادوں گا فی الحال مجھے ضروری کام ہے۔" مومن نے گاڑی سٹارٹ کی۔

"لگتا ہے تمہیں بسمہ شارق کی جان پیاری نہیں ہے جو اتنی دیر کر رہے ہو۔مجھے۔۔۔" مومن کال کاٹ گیا۔وہ دانت نکوستے رہ گئے۔یہ شخص ان کے دن برباد کر رہا تھا۔انہوں نے آج تک اس سے زیادہ ضدی اور گھمنڈی لڑکا نہیں دیکھا تھا۔

"یااللہ مجھے کوئی سیدھی راہ دکھادے۔" مومن سست روی سے گاڑی چلا رہا تھا اس کی سوچوں کا مرکز بسمہ شارق تھی۔کیا وہ لڑکی اسے اتنی عزیز ہو چکی تھی کہ اس کے دماغ پر صرف وہ حکومت کرنے لگی تھی؟

وہ تینوں سینٹر کے عقب میں بنے گارڈن میں موجود تھے۔ہمیشہ کی طرح بسمہ اور فریال بینچ پر بیٹھی تھیں اور عبید باجوہ ان کے سامنے گھاس پر ٹانگیں لمبی کیے بیٹھا ہوا تھا۔

"بارش ہونے والی ہے۔"عبید نے سر آسمان کی جانب اٹھا کر کہا۔

"کوئی امکانات نظر تو نہیں آرہے اور ویسے بھی جولائی میں کون سی بارش۔"بسمہ نے قیاس لگائی۔

"دیکھنا بارش ضرور ہوگی کیونکہ بادل ایک دوسرے کا پیچھا کر رہے ہیں۔ایک مزے کی بات بتاؤں تمہیں پتہ ہے میں ایک دفعہ اپنے گاؤں گیا اور وہاں جون کے مہینے میں ایسے ہی بول دیا کہ بارش ہونے والی ہے سب نے انکار کیا لیکن چند ہی پل گزرنے کے بعد آسمان پر کالی گھٹائیں چھائیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بارش برسنے لگی۔"فریال نے دیکھا آسمان پر ایک بادل آرہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا۔کیا عبید باجوہ کا

وجدان دوست تھا۔؟ وہ یونہی ہمیشہ ایک بات بتاؤں کہہ کر اپنے گاؤں کی کہانی سنایا کرتا تھا۔

"اللہ کرے کہ بارش نہ ہو۔" بسمہ نے کہا۔

"کیوں؟" فریال اور باجوہ کی گردنیں تیزی سے اس کی جانب گھومیں۔ وہ اپنی جگہ چور بن کر رہ گئی۔ اتنی گرمی میں کون کافر بارش سے انکار کرے گا۔

"بارش کے بعد کا موسم ہمیشہ مجھے اداس کر دیتا ہے۔ پانی کی چند بوندیں گر کر ہماری ضرورت تو پوری کر جاتی ہیں لیکن اس کے بعد کا آبر آلود موسم مجھے اچھا نہیں لگتا۔ اس لیے دعا کرو کہ بارش نہ ہو۔" اس کی بات پر فریال اور باجوہ ہوں کر کے رہ گئے ۔ایک دم سے ہر سو خاموشی چھا گئی۔ پودے بھی خاموش تھے تو ہر گل نے جیسے زبان سی لی ہو۔

"شادی کب تک کرنے کا ارادہ ہے آپ کا؟" وہ پوچھ عبید سے رہی تھی لیکن اس کی نظریں فریال کا طواف کر رہی تھیں۔

"لڑکی مانے تو شادی بھی کر لیں گے۔"

"لڑکیاں مانتی نہیں ہیں بلکہ لڑکیوں کو منایا جاتا ہے اور ویسے بھی ہمارے ہاں مشرقی لڑکیاں جواب نہیں دیتیں۔آپ کو چاہیئے کہ رشتہ بھجوائیں۔"عبید نے سر کو خم دیا۔

"ویسے کیا آپ ابھی تک اپنے گاؤں میں رہتے ہیں۔؟"فریال نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔

"نہیں اب تو ہم یہاں اسلام آباد موو ہو گئے ہیں۔"وہ لوگ مزید چند باتیں کرتے رہے۔جب آسمان گرج دار آواز کے ساتھ گڑگڑایا۔

"لو ہی گئی بارش شروع۔"اور پھر واقعی دیکھتے ہی دیکھتے وہاں زوروں کی بارش برسنے لگی تھی۔وہ تینوں اندر کی جانب بڑھ گئے۔ان کی کلکاریاں ہوا میں گونج رہی تھیں۔

وہ سینٹر کے باہر کھڑی تھی۔ بارش ابھی بھی برس رہی تھی۔ مومن نے کہا تھا کہ وہ اسے پک کرے گا لیکن وہ اسے بتائے بغیر کیب منگوا چکی تھی کیونکہ اسے اپارٹمنٹ جانے سے پہلے کہیں اور پہنچنا تھا۔ وہ مومن اور ملک کو خبر نہیں لگنے دینا چاہتی تھی۔ اس نے اپنے ہینڈ بیگ پر گرفت مضبوط کی۔ کچھ ہی دیر میں وہ چھتری پکڑے سبز بیلوں سے ڈھکے بارش میں بھیگتے اس بنگلے کے دروازے پر تھی۔ ایک ملازم اسے اپنے ساتھ اس کمرے تک لایا۔ اس کی منزل مقصود سامنے تھی۔

آہ کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے ناں اپنے گھر میں اجنبیوں کی طرح سے آنا۔ وہ دروازہ ناک کر کے اندر داخل ہوئی۔ سامنے صوفے پر شارق کبیر بیٹھے تھے۔ کمرہ مکمل روشن نہ تھا۔ بسمہ کا دل کانپ گیا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے بس یہ معلوم تھا کہ اسے وہ شخص عزیز تھا تو اس کی خاطر کچھ بھی۔

"فائل۔؟"انہوں نے ہاتھ آگے بڑھایا۔بسمہ نے بیگ سے دوہری ہوئی فائل نکالی اور شارق کبیر کے سامنے ٹیبل پر رکھ دی۔انہوں نے تیر کی تیزی سے اسے کھول کر پڑھا۔انہیں فائل سے غرض نہ تھی انہیں بس ملک کی بربادی سے غرض تھی۔چہرے پر مسکراہٹ بکھرتی گئی۔آنکھوں کی جلن کچھ حد تک کم ہوئی لیکن بسمہ شارق کا دل ڈوب رہا تھا۔

"ویل ڈن بسمہ۔"بسمہ کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا اٹکنے لگا۔کیا وہ یہ سب کرنے کے بعد معافی کی حق دار ہو گی؟دل نے جواب دیا'نہیں'۔

"اب پتہ چلے گا ملک کو کہ شارق کبیر سے پنگا لینے کا انجام کیسا ہوتا ہے۔تمہاری بربادی آج سے شروع ملک۔"وہ فائل ہاتھ میں اٹھائے والہانہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے اور بسمی شارق کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا۔

ضمیر کی ملامت انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ کیا وہ بھی آج سے ملامت کاروں میں شامل ہو گئی تھی؟ اگر ہاں تو اس کے ضمیر کی ملامت اس کے جسم سے خون کا کوئی آخری لوتھڑا بھی نہیں مٹا سکتا تھا۔

وہ جب گھر پہنچی تو مومن ابراہیم گھر پر نہیں تھا۔ وہ طبیعت خرابی کا بہانہ کرتی اپنے کمرے میں گھس آئی۔ وہ اب متذبذب سی ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔ مومن کو معلوم ہو جانا تھا اگر وہ اسے لینے سینٹر پہنچ جاتا تو۔ وہ ڈر رہی تھی۔ اس کا دل واہموں میں گھر رہا تھا۔ لیکن وہ بسمہ شارق تھی۔ وہ کسی سے نہیں ڈرتی تھی بلکہ ڈٹ کر مقابلہ کیا کرتی تھی۔ پھر بھی وہ بزدل بن رہی تھی۔

کیا محبت انسان کو اتنا کمزور کر دیتی ہے۔ ہاں محبت انسان کے جذبات کو اجاگر کرتی ہے۔ اور جذباتی انسان ہمیشہ بزدل ہوتا ہے۔ محبت انسان کو کمزور نہیں کرتی، جذبات کرتے ہیں۔

وہ لاشعوری طور پر مومن کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ آئے گا تو وہ اسے سب کچھ سچ سچ بتادے گی۔ آگے وہ جانے اور بسمہ کا باپ۔

تبھی اس کے کمرے کا دروازہ بنا دستک کے کھلا۔ اندر داخل ہونے والا شخص مومن ابراہیم تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ انگارا ہو رہی تھیں۔ گہری بھوری آنکھوں کا تصادم سرمئی آنکھوں سے ہوا۔ کچھ تھا ان آنکھوں میں جو سرمئی آنکھوں نے جھر جھری لی۔ وہ آگے بڑھا۔ بسمہ کا جسم کپکپانے لگا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ اس نے لب کھولے لیکن۔

"چٹاخ!" پہلا تھپڑ، پہلی اذیت اور دل میں اٹھتا درد۔ آہ۔

مومن نے آنکھیں میچ کر کھولیں۔ وہ بسمہ کی ایک بھی سنے بغیر اسے تھپڑ سے نواز چکا تھا۔ وہ اپنے بائیں گال پر ہاتھ رکھے بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ آنسو پلکوں کی باڑ توڑتے سرخ و سپید گالوں کی زینت بننے لگے۔

www.novelsclubb.com

"جو تم کر چکی ہو ناں بسمہ شارق میر ا بس چلے تو تمہیں زمین میں گاڑھ دوں۔ کیونکہ تم جیسے بزدل کیڑوں کی سرزمین مٹی ہی ہوتی ہے۔ خاک ہو تم۔" وہ دھاڑا۔ اس کی آواز سے پورا اپارٹمنٹ گونج اٹھا۔ انمول اور صوفیہ بھی بسمہ کے کمرے کی طرف بھاگی تھیں۔

"تم نے آج تک کوئی محرومی نہیں دیکھی بسمہ شارق کبیر" اسکی آواز میں نمی اترنے لگی۔ کیا تھی وہ لڑکی۔ کتنی سفاک تھی ناوہ۔ کتنی ظالم۔

"م۔ مم۔ مومن۔" اس نے کچھ بولنا چاہا۔

"خاموش۔!" وہ پھر سے چیخا۔ بسمہ کا دل کیا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

انمول اور صوفیہ دروازے میں ایستادہ ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ دونوں ہی اس کی غلطی سے لاعلم تھیں۔ کیا بسمہ شارق کا جرم قابل معافی تھا؟

اس نے صبح صبح ہی وہاج کو میسج چھوڑا تھا کہ وہ اسے حویلی سے پک کر لے گا۔اس وقت وہ دونوں گاڑی میں بیٹھے اپنی منزل کی جانب گامزن تھے۔وہاج خاموشی سے بیٹھا تھا۔وہ اس دن کس مشکل سے وہاں سے نکل کر آیا یہ صرف وہی جانتا تھا۔وہ دن، وہ پل بہت برے گزرے تھے اس کے۔لیکن جو راز وہ وہاں سے لے کر آیا تھا اس نے وہاج ملک کی زندگی بدل دی تھی۔ہاں وہ بدل گیا تھا اس نے خود کو بدلنے کا عزم کر لیا تھا۔

اگر کوئی پیادہ شطرنج میں ہار جائے تو وہ دوسری چال نہیں چل پاتا وہ بھی اس وقت ایک ہارا ہوا پیادہ تھا جو نئی بازی شروع ہونے کا منتظر تھا۔زندگی کی نئی بازی اسے سب سکھا دینے والی تھی کیونکہ وہ پر عزم تھا۔

www.novelsclubb.com

"کیسا لگ رہا ہے۔؟" ملک نے اسے دیکھا وہ خاموشی سے اب اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔جیسے جواب دینے کے لیے ناپ تول کر رہا ہو۔

"ایسا کہ زندگی تھما کر سانسیں چھین لی گئی ہوں۔" ملک کو افسوس ہوا۔ وہ اس سے چھوٹا تھا۔ بھلے اس نے بہت برا کیا تھا لیکن وہ اپنے کیے کی سزا پا چکا تھا۔

"اللہ پر توکل کرو وہ سب ٹھیک کر دے گا۔" وہاج نے سر ہلایا۔

"وہ غفور الرحیم ہے۔" وہاج کی آواز ابھری۔

"بالکل۔" ملک نے تائید کی۔

"تو وہ مجھے بھی معاف کر دے گا۔ ہاں؟" وہ آنکھوں میں امید کے دیے جلائے پوچھ رہا تھا۔ ملک نے گہری سانس بھری ان کی منزل مقصود آ چکی تھی۔ ملک نے گاڑی روک دی۔

www.novelsclubb.com

"اللہ تعالیٰ حقوق اللہ تو معاف کر سکتا ہے لیکن حقوق العباد کی کوئی معافی نہیں۔ اپنے رب سے معافی مانگنے سے پہلے اس کے بندوں سے معافی مانگو۔ اگر وہ تمہیں معاف کر دیں تو تم نوازے جاؤ گے اللہ کی رحمت سے اور بخشش سے۔" ملک سیٹ

بیلٹ کھولتا باہر نکل گیا۔وہاج بھی دوسری طرف سے باہر نکلا گاڑی کا دروازہ واپس بند کرتے اس نے نگاہ ادھر ادھر دوڑائی۔

"یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟"اس نے حیرت سے استفسار کیا۔

"آرام گاہ۔"وہ سکون سے بولا اور پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے آگے چل دیا۔وہاج نے بھی اس کی تقلید کی۔

وہ دونوں آگے بڑھ رہے تھے اور تمام آرام گاہیں جیسے ان کا دیدار کر رہی تھیں۔ ملک کا انداز پر سکون تھا تو وہیں وہاج کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔

www.novelsclubb.com

"ملک۔"

"ہاں بولو۔"پُر سکون لہجہ۔آرام گاہ کی طرح آرام دہ انداز۔

"مم۔مجھے گھ۔گھٹن ہو رہی ہے۔"وہ اٹک گیا۔الفاظ منہ سے نکلنے سے انکاری ہو گئے۔ملک نے آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھا۔

"ابھی سے ڈر گئے۔" انداز رازدارانہ تھا۔ خفیہ لہجے سے وہاج کو وحشت ہونے لگی۔ یہ وہ اسے کہاں لے آیا تھا۔ کیسی آرام گاہ تھی وہ۔ ملک استہزایہ ہنسا۔ آنکھوں میں بھی استہزایہ پن اتر آیا تھا۔ انداز ایسا تھا کہ ابھی سے ڈر گئے۔ کیا کوئی اور امتحان ابھی باقی تھا۔؟

آج موسم کافی خوشگوار تھا زیادہ گرمی تھی نہ ہی زیادہ حبس بس متناسب سا ماحول۔ وہ ہاتھ سے چائے کی ٹرالی گھسیٹتی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ سامنے آمنے سامنے رکھے صوفوں میں سے ایک پر اس وقت جیا سکندر براجمان تھی تو اس کے بالکل سامنے وجیہہ سا ملک براجمان تھا۔ وہ کافی دیر سے وہاں موجود تھا تقریباً ایک آدھ گھنٹے سے۔ جیا اس پر اعتبار کر رہی تھی کیونکہ وہ اس کا محافظ تھا۔ وہ بالاج کے مقابلے میں بھی اس پر زیادہ بھروسہ کر سکتی تھی۔ یہ شخص اس کی ہر جگہ حفاظت کرتا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم آپ کا نام کیا ہے لیکن میں آپ کو اینجل بلاؤں گی۔" معصوم سی جیا کی معصوم سی خواہش۔

"جو تمہارا دل چاہے۔" وہ نرم لہجے میں بول رہا تھا۔اس قدر رں رم لہجہ اس نے آج تک کسی سے اختیار نہیں کیا تھا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے اب چلنا چاہیے مجھے۔" وہ کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ نجمہ (ملازمہ) چائے پیش کر رہی تھی۔

"ارے آپ چائے تو پیتے جائیں۔" جیا نے بھرے ہوئے کپ کی جانب اشارہ کیا جس کے ساتھ ہی مختلف لوازمات رکھے گئے تھے۔

"نہیں گڑیا پھر کبھی سہی۔ابھی مجھے چلنا ہو گا۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔جیا کی آنکھیں نم ہوئی تھیں کاش آج اس کا بھائی بھی زندہ ہوتا تو وہ اس سے کتنا پیار کرتا۔ہاں وہ ملک سے لاعلم تھی۔

وہ مین گیٹ سے باہر نکلتے وقت آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا چکا تھا۔ باہر دھوپ تھی اور اس کی ہیزل گرین آنکھیں ایسی دھوپ سہن نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ آگے بڑھ رہا تھا اور دور گلی کی نکر پر کوئی شخص گاڑی میں بیٹھا اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ یہاں کیوں اور کس کے لیے آیا تھا۔ بس دل کیا اور وہ آ گیا۔ ہاں دل انسان کو مجبور کر دیتا ہے۔ یہ سارے کھیل دل کے ہی تو ہوتے ہیں۔ دل کیا تو یہ کر لیا دل نہ کیا تو چاہنے کے باوجود وہ کام ترک کر دیا۔

"تو تم نے یہ تماشہ اب اپنے گھر میں شروع کر دیا جیا سکندر۔ آئی ول ناٹ سپیئر یو۔ (میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔)" وہ غرایا۔ ہاتھ اور دماغ کی نسیں پھولنے لگی تھیں۔ غصے کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔ سامنے وہ شخص آنکھوں پر چشمہ لگائے دھیمی مسکراہٹ سے اپنی گاڑی کے قریب پہنچ رہا تھا۔ وہ گاڑی میں جا بیٹھا۔ اور بالاج سکندر کی بس ہوئی تھی۔ اس نے زن سے گاڑی آگے بڑھائی اور سکندر حویلی کے

www.novelsclubb.com

سامنے لا کر روک دی۔ دروازہ کھولتا وہ اندر داخل ہوا۔ گارڈ کے سلام کا جواب دینا بھی وہ بھول چکا تھا۔

"باجی جی وہ صاحب کون تھے۔؟" ڈرائنگ روم کے اندر سے اسے ملازمہ کی آواز سنائی دی۔ وہ سننا چاہتا تھا لیکن جیا کے روبرو جا کر۔

"آپ جائیں یہاں سے۔" اس نے ملازمہ کو مخاطب کیا وہ سلام کرتی وہاں سے چلی گئی۔ جیا اس سنگدل کی آواز پر ہی تھم چکی تھی۔ بالاج سکندر اس کے پیچھے آیا تھا کیا واقعی؟

"آ۔آ۔آپ۔یہاں۔" اس کے چہرے پر بے یقینی تھی۔ بالاج نے تنفر بیزاری سے اسے دیکھا۔ جیا کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"کیوں کیا میں نہیں آسکتا یہاں؟ یا پھر تم اپنے کسی اور عاشق۔۔"

"شٹ اپ بالاج۔" اس کا ہاتھ اٹھا لیکن وہ اسے درمیان میں ہی روک چکی تھی۔ کیا وہ بالاج پر ہاتھ اٹھا سکتی تھی؟ نہیں کبھی بھی نہیں۔

"کیا ہوا رک کیوں گئیں جیا۔ مارو ناں مارو تھپڑ یہی کسر باقی رہ گئی ہے اب تو۔ جیا واجد سکندر۔" جیا کی شکل رونے والی ہوئی۔ اس کا ارادہ قطعاً یہ نہیں تھا۔ آہ وہ بے رحم سکندر۔ وہ کیوں اتنی بے اعتباری دکھا رہا تھا کیا وہ بعد میں زرہ برابر بھی برداشت کر سکتا تھا۔

"جیا واجد نہیں جیا بالاج سکندر ہوں میں۔ سمجھے آپ۔" وہ بھی جواباً چیخی۔

"کون تھا وہ مرد؟ اور تمہارے گھر پر کیا کر رہا تھا ہاں بولو جواب دو مجھے جیا سکندر۔" بالاج دھاڑا۔ یہ خیال ہی سوہان روح تھا کہ وہ شخص اس کی جیا کے گھر آیا تھا۔ جو تصاویر اسے موصول ہوئی تھیں ان میں وہاج ملک کا چہرہ واضح نہ تھا اس لیے وہ اس شخص کو وہاج سمجھنے لگا تھا۔ یہ بدگمانیاں اور غلط فہمیاں انسان کو مار دیتی ہیں۔

"آپ کو جواب دہ نہیں ہوں میں اور آپ ہوتے کون ہیں میرے گھر میں کھڑے ہو کر میرے کردار پر سوال اٹھانے والے۔ خود کیا ہیں آپ؟ حریم ناز کو بھول گئے کیا؟" اس نے بالاج کو آئینہ دکھایا۔

"تم سے جتنا پوچھا ہے اس کا جواب دو۔ بتاؤ مجھے یہ وہاج تھاناں؟ ہاں یا ناں۔؟" اس نے جیا کو جھنجھور کر رکھ دیا۔ وہ اس کی سیاہ آنکھوں میں دیکھ رہا تھا لیکن وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے عقب میں دیکھ رہی تھی۔

"یہ سالا آج بچے گا نہیں میرے ہاتھوں۔" وہ کہتے ہوئے اس بات سے انجان تھا کہ سامنے کھڑا شخص حقیقتاً اس کا سالا بھی ہو سکتا ہے۔

www.novelsclubb.com

"اینجل۔" جیا کی آواز پر بالاج پلٹا اور اسے لگا وہ اگلا سانس نہیں لے پائے گا۔ مقابل شخص کی عینک گریبان میں اٹکی ہوئی تھی۔ خوبرو چہرہ روشن پیشانی اور اس پر تضاد اس کی ہیزل گرین آنکھیں۔ ان آنکھوں کو تو وہ سات پردوں میں بھی پہچان سکتا تھا۔ یہ آنکھیں تو اسے حفظ تھیں۔

"میرا۔موبائل رہ گیا تھا۔"اس نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھایا۔

"ماہیر سکندر۔" بالاج کے لبوں نے سرگوشی کی۔لیکن جیا سکندر کو وہ اس کی آواز اپنے کانوں میں ڈھول پیٹتی محسوس ہوئی۔اس کے سر پر آسمان ٹوٹ کر گرا۔کیا وہ ماہیر سکندر تھا؟کیا وہ جیا سکندر کا بھائی تھا۔؟ہاں وہ اس کا سگا بھائی تھا۔

وہ بالاج سکندر کا بچپن کا بھائی تھا۔وہ اس کا دوست تھا بلکہ وہ دوست نہیں تھا وہ تو رگِ جاں تھا جو اسے سمجھتا تھا،اسے پرکھ سکتا تھا۔ہمیشہ اس کے ہمقدم اس کے آگے کھڑا ہوتا تھا۔وہ ماہیر سکندر تھا بالاج سکندر کا جان سے عزیز دوست۔وہ دوست جس کے لیے بالاج سکندر نے پورے اٹھارہ سال آنسو بہائے تھے۔دوستی بہت عام ہوتی ہے لیکن دوستی میں وفا اسے خاص بنا دیتی ہے۔

وہ بھی دوستی میں ہر حد پار کر گیا تھا۔اگر اسے رتی برابر معلوم ہوتا کہ اس کا جگر اس دنیا میں سانسیں بھر رہا تھا تو وہ اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالتا۔

"یہ تم ہو ناں ماہیر۔؟میرے بھائی۔" بالاج کا لہجہ رندھ گیا۔ادھر سبز آنکھوں میں آگ جلنے لگی۔وہ پیچھے کی جانب پلٹنے لگا۔الٹے قدموں کی رفتار تیز ہو رہی تھی۔

"ماہیر سٹاپ اٹ یار مزید کتنا تڑپاؤ گے۔؟" بالاج نے اپنے قدم اس کی جانب لیا۔جیا سکندر ساکت نگاہوں سے اس کو دیکھ رہی تھی۔وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

"بب۔با۔لاج۔" وہ ماہیر کے پیچھے جانا چاہتا تھا لیکن جیا کی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔اس کی آنکھیں نم تھی تو لب وا تھے۔ایک جیا تھی جس نے اس کی سے بے وفائی کی تھی اور دوسرا وہ تھا جس کا بالاج نے اٹھارہ سال انتظار کیا تھا۔وہ کہاں جائے۔؟

﴿جاری ہے﴾

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM